قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا اٹھہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

نومبر 2021ء

''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے







علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

تانداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ اُو

جب تک تُو حضرت محمد ﷺ کے (اخلاقِ عالیہ و سیرت) کا رنگ و بو اختیار نہیں کرتا۔ اس وقت تک اپنے درود سے حضور ﷺ کے نام نامی کو آلودہ مت کر۔

(اقبالؒ)

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا اٹھہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

نومبر 2021ء

''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے







علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

تانداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ اُو

جب تک تُو حضرت محمد ﷺ کے (اخلاقِ عالیہ و سیرت) کا رنگ و بو اختیار نہیں کرتا۔ اس وقت تک اپنے درود سے حضور ﷺ کے نام نامی کو آلودہ مت کر۔

(اقبالؒ)

طلوعِ اسلام کا مقصد

جو احباب طلوع اسلام سے تعارف نہیں رکھتے ان کی آگاہی کے لئے ہم طلوع اسلام کے مقصد کو وقتاً فوقتاً سامنے لاتے رہتے ہیں:

1- تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت نہیں کرسکتی۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی ضرورت۔

2- خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے ابد تک ضابطہ ہدایت ہے۔ لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے نہ کوئی نبی یا رسول آسکتا ہے۔ قرآن کریم خدا کی آخری کتاب اور حضور رسالتماب ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔

3- قرآن کریم کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں۔ قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جس حد تک انسانی علم ترقی کر چکا ہے وہ انسان کے سامنے ہو اور چونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے تمام کائنات انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر ضروری ہے۔

4- نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی یا یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے۔ اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

5- دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہوسکتی ہے اس کے بغیر دین (جو نظام زندگی کا نام ہے) متمکن نہیں ہوسکتا۔

6- رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔

7- رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا وہی نظام حضور ﷺ کے خلفائے راشدینؓ نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

نومبر 2021ء

جلد 74 | شمارہ نمبر 11

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: نظامِ پاکستان کے متعلق علامہ اقبالؒ کا خط قائداعظم کے نام	ادارہ	4
درود کا قرآنی مفہوم	ادارہ	6
اسوۂ حسنہ (مسلسل)	شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور	14
نسخ آیات کا عقیدہ قرآنِ کریم کے خلاف ایک گہری سازش ہے	خواجہ ازہر عباس، کراچی	23
دوقومی نظریۂ پاکستان والی اسلامی مملکت میں انسان	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	27
پرویزؒ کا پیغام بچوں کے نام	محمد ارشد، سلیم اختر	36
ڈاکٹر منظور الحق وفات پا گئے		40
احترام	ادارہ	44
جبر و اختیار	جمیل احمد عدیل	52
ہیں آج کیوں ذلیل	شمس العلماء محب الحق مرحوم	54

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون: 50 روپے فی پرچہ

پاکستان: 600 روپے سالانہ

رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

ENGLISH SECTION

The world is desperate for Prophet's (PBUH) revolutionary system By G. A. Parwez (Translated by: Mansoor Alam)	60

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان) Phone: 042-35714546

idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

نظامِ پاکستان کے متعلق علامہ اقبالؒ کا خط قائداعظمؒ کے نام

اس قسم کی خبریں پاکستان میں آئے دن گردش کرتی رہتی ہیں۔ کبھی امریکی صدارتی نظام پر غور ہوتا ہے تو کبھی فرانسیسی نظامِ حکومت پر لیکن قرآنِ کریم کے نظام پر کسی کی توجہ نہیں جاتی جو اسلامی آئین کا سرچشمۂ ابدی ہے، جس کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پاکستان وجود میں آیا تھا۔ پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کا دیا ہوا ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ حصول پاکستان کے بعد، وہ پاکستان میں کس قسم کے نظام کا نفاذ چاہتے تھے؟ اس کے متعلق انہوں نے اپنا نظریہ اس خط میں واضح کیا تھا جو انہوں نے 28 مئی 1937ء کو قائداعظم علیہ الرحمۃ کے نام تحریر فرمایا تھا۔ انہوں نے اس خط میں پہلے یہ بتایا کہ مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہونا چاہئے اور اس کے بعد یہ کہ اگر ان کے تصور کے مطابق مسلمانوں کی جداگانہ مملکت قائم ہوگئی تو اس کا نظام کن خطوط پر متشکل ہونا چاہئے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

> ہمارے سیاسی اداروں نے کبھی عوام کی خوش حالی کے متعلق کچھ نہیں سوچا۔ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گذشتہ دوسو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے..... اس لئے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہو؟

''لیگ کو آخر لامربہ طے کرنا ہوگا کہ وہ ایک ایسی جماعت رہنا چاہتی ہے جو صرف مسلمانوں کے اعلیٰ

طبقہ کی نمائندگی کرے یا وہ عوام کی نمائندگی کرنا چاہتی ہے۔ اس وقت تک عوام نے لیگ میں کوئی دل چسپی نہیں لی اور اسکی ان کے پاس وجوہات ہیں۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جو مسلمانوں کے متوسط طبقہ کی مرفہ الحالی کا وعدہ نہیں دے سکتی، عوام کے لئے کبھی جاذبِ نگاہ نہیں بن سکے گی۔ (اس وقت حالت یہ ہے کہ) آئینِ جدید (یعنی 1935ء کے آئین) کے مطابق، اعلیٰ ملازمتیں امراء کے بیٹوں کے حصہ میں آ جائیں گی اور نچلی ملازمتیں وزراء کے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے وقف ہو جائیں گی۔ (عوام اور متوسط درجہ کے مسلمانوں کا ان میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ یہ تو رہا ملازمتوں کی بابت، اسی طرح) دیگر معاملات میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے کبھی عوام کی مرفہ الحالی کے متعلق کچھ نہیں سوچا۔ روٹی کا مسئلہ دن بدن نازک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مسلمان محسوس کر رہا ہے کہ وہ گذشتہ دو سو سال سے نیچے ہی نیچے جا رہا ہے..... اس لئے سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس کا علاج کیا ہو۔ لیگ کا مستقبل اسی سوال کے حل پر موقوف ہے۔ اگر لیگ نے اس باب میں یہ نہ کیا تو مجھے یقین ہے کہ عوام اس سے اسی طرح بے تعلق رہیں گے جس طرح اس وقت تک اس سے بے تعلق رہے ہیں، یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اسلامی آئین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔ اس آئین کو دورِ حاضرہ کے تصورات کی روشنی میں مزید نشوونما (Development) دی جا سکتی ہے۔ اسلامی آئین کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام کو اچھی طرح سے سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو اس سے کم از کم ہر فرد کو سامان پرورش (Subsistence) ضرور مل جاتا ہے (ہندوؤں کے پاس اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں) اگر ہندوؤں نے اشتراکی جمہوریت (Social Democracy) کو اپنے ہاں قبول کر لیا تو ہندومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن اسلام کے لئے اشتراکی جمہوریت (Social Democracy) کو ایسے مناسب انداز سے قبول کر لینا جس سے یہ اس کے اصولوں سے ٹکرائے نہیں، اسلام میں کسی تبدیلی کے مرادف نہیں ہوگا بلکہ اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ ہم اسلام کو پھر سے اس منزہ صورت میں اختیار کر رہے ہیں جیسا وہ شروع میں تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درود کا قرآنی مفہوم

نامور فرانسیسی عالم موسیو گاسٹن گار نے اسلام کی حقانیت پر بحث کرتے ہوئے کہا تھا
''جو لوگ موجودہ زمانے کے لئے قرآن کو مکمل قانون تسلیم نہیں کرتے ان مفکرین کو چاہئے کہ وہ اپنے گریبان میں جھانکیں کہ وہ اپنے ٹکسالی نظریات سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غداری تو نہیں کر رہے؟''

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرف انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے، وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اب اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعل راہ کی ضرورت اور کسی ہادی طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس و اعظم ﷺ کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر خبیر و بصیر پکار اٹھتا ہے کہ:

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیؐ رو

مفہوم: اگر اس دُنیا میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتا ہے تو اللہ (کی وحی) کے ساتھ دل بستگی پیدا کر اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر (جو کہ قرآن میں محفوظ ہے) عمل کر۔

ہمارا ایمان:

ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس قرآنی نظام

> مسلمان، قرآن اور نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ اپنی نسبت ضرور رکھتے ہیں لیکن نسبت رکھنے اور ایمان رکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے اصولوں کو زندگی کا نصب العین بنایا جائے۔

کے سوا جسے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے ساری دنیا کے لئے وجہ شادابیٔ قلب و نگاہ بنایا تھا، انسان کے لئے نجات و سعادت کی کوئی راہ نہیں۔ لیکن ہم نے اس قرآن کو غلافوں میں لپیٹ کر رکھ چھوڑا ہے اور اپنی راہ نمائی کے لئے دوسرے دروازوں پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ کیا ایمان اسی کو کہتے ہیں؟ ہم نے اس سحاب کرم کی طرف سے اپنے لب بند کر کے، دنیا

کے ہر چشمۂ تہذیب وتمدن کو آزما کر دیکھ لیا۔ کیا کہیں سے آب حیات کی ایک بوند بھی ہمارے لئے وجہ سیرابی ہوئی؟ کیا اس کے بعد بھی وقت نہیں آیا کہ ہم پھر اسی ابر نیساں کی طرف رجوع کریں جن کی گہر افشانیوں نے ایک بار ہماری زمین مردہ کو اس طرح زندگی اور شادابی عطا کی تھی کہ اس سے ساری دنیا پر بہار آ گئی تھی۔

مسلمان، قرآن اور نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ اپنی نسبت ضرور رکھتے ہیں لیکن نسبت رکھنے اور ایمان رکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے اصولوں کو زندگی کا نصب العین بنایا جائے اور اس ضابطہ حیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اس کی وضاحت قرآن نے اس مقام پر کر دی جہاں حضور ﷺ کو رحمت للعالمین کہا ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (21:108)

(اے رسول ﷺ!) ان سے کہہ دو کہ میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارا الٰہ، جس کے قوانین کی اطاعت اختیار کرنی چاہئے صرف ایک (خدائے واحد) ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہو"۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا سر قرآن کے سامنے خم ہے، یا اس سے سرکشی برتتے ہوئے، اپنے خود ساختہ قوانین وضوابط کے سامنے؟ غیر مسلم تو قرآن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ:

"اس کی تعلیم کسی مقام پر بھی ناکام ثابت نہیں ہوسکتی۔ ہم اپنے تمام نظامہائے تمدن کے باوجود اسکی حد سے آگے نہیں جا سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں جا سکتا۔" (گوئٹے کا خط ایکرمن کے نام)۔

اقوام عالم کے لئے رحمت:

وہ نظام جسے رحمت للعالمین ﷺ کے مقدس ہاتھوں نے متشکل فرمایا۔ اس کا اصل الاصول کیا تھا؟ قرآن میں ہے کہ:

"قرآن کی تعلیم کسی مقام پر بھی ناکام ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے تمام نظامہائے تمدن کے باوجود اسکی حد سے آگے نہیں جا سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں جا سکتا۔" (گوئٹے کا خط ایکرمن کے نام)۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (21:105)

"ہم نے ہر آسمانی کتاب میں، اخلاقی اقدار وضوابط بیان کر دینے کے بعد لکھ دیا تھا (اور اب اس بنیادی حقیقت کو قرآن میں دہراتے ہیں) کہ زمین کا نظم ونسق، صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں رہنا چاہئے جن میں اسکی صلاحیت ہو۔"

آپ غور فرمایئے! کہ قرآن نے اس مختصر سے ٹکڑے میں کتنے بڑے انقلاب کا اعلان کیا ہے جس سے نظم ونسق اور اقتدار واختیار کے تمام سابق معیار (جس کی لاٹھی اس کی بھینس) الٹ کر ان کی جگہ صرف صلاحیت نے لے لی۔

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ (21:106)

"اس انقلاب آفرین اصول میں، اس قوم کے لئے جو

قوانین الٰہیہ کی محکومی اختیار کرے' ایک بڑی دوررس حقیقت پوشیدہ ہے۔''

اس کے بعد ہے:

دنیا قرآنی اصولوں اور اس کی روشنی میں متشکل کردہ قرآنی نظام کے کئی ایک گوشوں کو اپنا چکی ہے۔ بعض کو اپنانے کی کوشش کر رہی ہے اور باقی گوشے ایسے ہیں جنہیں یہ مستقبل میں جا کر اپنائے گی' اس لئے کہ ان کے بغیر انسانی صلاحیتیں اپنی نشوونما ارتقاء کی آخری حد تک پہنچ سکتی ہیں نہ حسن کائنات میں نکھار پیدا ہوسکتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (21:107)

''یوں اے رسول ﷺ! تمہاری بعثت تمام اقوام عالم کے لئے وہ قالب' وہ ذریعہ' وہ (Pattern) بن جاتی ہے جس کے اندر رہتے ہوئے افراد انسانیہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوسکتی ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں انسانی صلاحیتوں کی نمود نظر آتی ہے یہ صدقہ ہے اس ''رحمت'' کا جسے تمام اقوام عالم کے لئے عام کر دیا گیا ہے۔ دنیا قرآنی اصولوں اور اس کی روشنی میں متشکل کردہ قرآنی نظام کے کئی ایک گوشوں کو اپنا چکی ہے۔ بعض کو اپنانے کی کوشش کر رہی ہے اور باقی گوشے ایسے ہیں جنہیں یہ مستقبل میں جا کر اپنائے گی' اس لئے کہ ان کے بغیر انسانی صلاحیتیں اپنی نشوونما ارتقاء کی آخری حد تک پہنچ سکتی ہیں نہ حسن کائنات میں نکھار پیدا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا' بزمِ ہستی میں جہاں کوئی پھول مہکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اسی جانِ بہار کی نکہت باریوں کا رہینِ منت ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیؐ است

آزادی کا مفہوم:

اسلام کا خدا' رب العالمین (1:1) اس کا ضابطۂ قوانین (قرآن)' ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (38:87)۔ اور اس کا رسول ﷺ 'رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (21:107)۔ اس میں رنگ' نسل' خون' زبان' وطن کی' کوئی تخصیص اور تمیز نہیں اور خدا کا آخری نبی' ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا۔ سورۂ ابراہیم کی پہلی آیت ہے کہ:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (14:1)

''یہ قرآن ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ اسکے ذریعے تو نوع انسان کو ظلمت (تاریکیوں) سے نکال کر نور (روشنی) کی طرف لے آئے (اور) ان کے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق انہیں زندگی کے اس توازن بدوش راستے پر ڈال دے جو جلال و جمال' غلبہ و

قوت' اور حسن وتزئین سب کچھ عطا کر دیتا ہے' کیونکہ وہ اس خدا کی طرف لے جانے والا راستہ ہے جو ان تمام صفات کا مالک ہے۔''

اس آیہ جلیلہ میں قرآن کی خصوصیت یہ بتائی کہ اس کے ذریعے نوع انسان ظلمت سے نور کی طرف آ سکتی ہے۔ ظلمات (تاریکیاں) جمع کے صیغے میں آیا ہے۔ جس سے مراد ہر قسم کی تاریکیاں ہیں۔۔۔ عقائد و تصورات کی تاریکیاں' رسوم ومناسک کی تاریکیاں' تمدن اور معاشرت کی تاریکیاں۔ سیاست اور معیشت کی تاریکیاں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر گوشے کی تاریکی سے روشنی کی طرف لے آنے والی کتاب۔ ان تاریکیوں کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات میں دی گئی ہے۔ لیکن خود ہی اسی سورہ میں تین آیات بعد' ایک ایسا ٹکڑا آتا ہے جس نے ساری بات کو واضح کر کے رکھ دیا اور نکھار کر سمجھا دیا ہے کہ ظلمات کسے کہتے ہیں اور نور کیا ہوتا ہے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ (14:5)

''ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام وقوانین دے کر بھیجا اور اس سے کہا کہ وہ ان کے ذریعے اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔''

قرآن کی اس آیت نے خود بتایا کہ قوموں کی زندگی میں ظلمات کسے کہتے ہیں اور وہ نور کی وادی میں کس طرح داخل ہوتی ہیں۔ فرعون کی محکومیت میں قوم بنی اسرائیل جس قسم کی زندگی بسر کر رہی تھی اسے ظلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔ قرآن میں اس داستان الم انگیز کی تفاصیل ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ضابطہ خداوندی کے مطابق اس قوم کو فرعون کی محکومی سے نکال کر سینا کی ان وادیوں میں لے آئے جہاں ان کے اور ان کے خدا کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ تھی اور جہاں انہیں اس امر کی پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ خدا کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اس کو قرآن نے نور سے تعبیر کیا ہے۔

> جو قوم قوانین خداوندی کے مطابق چلتی ہے کائناتی قوتیں (جنہیں قرآن ملائکہ کہہ کر پکارتا ہے) بھی اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ کائناتی قوتوں میں کچھ تو وہ ہیں جو طبعی دنیا سے متعلق ہیں اور جن کی تسخیر سے انسان' حدود فراموش قوتیں حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ کچھ قوتیں اس کی نفسیاتی دنیا سے متعلق ہیں۔ قانون خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے یہ قوتیں بھی انسان کا ساتھ دیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا سینہ تضادات (Contradictions) کی رزمگاہ بننے کی بجائے سکون وطمانیت کی جنت بن جاتا ہے۔ اسے قرآن ملائکہ کی تائید کہتا ہے۔

نزول ملائکہ کا مفہوم:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے متعلق کہا ہے کہ ان کی

بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ قرآن کے ذریعے پوری کی پوری نوع انسانی کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں گے۔ ظاہر ہے قرآن کے اس دعویٰ کا عملی تجربہ نبی اکرم ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنی قوم کی تربیت قرآن کی روشنی میں کی اور ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ قوم کس طرح ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آ گئی۔ یہ کچھ کیسے ہوا تھا؟ قرآن اور تاریخ میں اس کی تفاصیل موجود ہیں۔ ان کا ماحصل یہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے یقین محکم اور عمل پیہم سے باطل کی ہر قوت کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دے کر فاتح اور منصور آگے بڑھتے چلے گئے تا آنکہ عہد جاہلیت کی تمام انسانیت سوز تاریکیاں ایک ایک کر کے چھٹ گئیں اور زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھی۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جو قوم قوانین خداوندی کے مطابق چلتی ہے کائناتی قوتیں (جنہیں قرآن ملائکہ کہہ کر پکارتا ہے) بھی اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ کائناتی قوتوں میں کچھ تو وہ ہیں جو طبعی دنیا سے متعلق ہیں اور جن کی تسخیر سے انسان، حدود فراموش قوتیں حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ کچھ قوتیں اس کی نفسیاتی دنیا سے متعلق ہیں۔ قانون خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے یہ قوتیں بھی انسان کا ساتھ دیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا سینہ تضادات (Contradictions) کی رزمگاہ بننے کی بجائے سکون و طمانیت کی جنت بن جاتا ہے۔ اسے قرآن ملائکہ کی تائید کہتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ (41:30)

جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہیں کرتی تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (خدا کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور ان کے لئے باعث تقویت بنتی ہیں (33:43) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لئے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔'' (43:13)۔

ملائکہ کے نزول کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے دل سے خوف وحزن جاتا رہتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں (کیونکہ خوف و حزن کا جاتے رہنا تو محض منفی نتیجہ Negative Result ہے)۔ بلکہ مثبت (Possitive) کامرانیاں اپنی انتہائی درخشندگی و تابناکی سے ان کے سامنے آ جاتی ہیں اور ملائکہ ان سے کہتے ہیں:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ (41:31)

''ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے۔''

(اس لئے تمہیں یہ جنتی زندگی، اس دنیا میں بھی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی)۔

جماعت مومنین کا فریضہ:

یہی تھی ملائکہ کی وہ تائید جو جماعت مومنین کو بدر کے میدان میں حاصل ہوئی تھی (8:12)۔ سورۃ الاحزاب میں مومنین کے بارے میں ہے کہ:

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (33:43)

''اے جماعت مومنین! خدا اور اس کے ملائکہ تم پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں اور ان کی تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہے تاکہ وہ ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ مومنین پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ وہ انکی پوری پوری نشوونما کرتا ہے اور ان کی کوششوں کے بھرپور نتائج سے نوازتا ہے''۔

تم قوانین خداوندی کو ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اس طرح کہ وہ کبھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں اور اس کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل میں صبح و شام (ہمیشہ اور مسلسل) سرگرم عمل رہو۔ تم ایسا کرو تو اس کے بعد تم دیکھو گے کہ خدا اور اس کے ملائکہ کی تائید اور نصرت کس طرح تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم کس طرح ظلمات پر قابو پا کر اپنی زندگی کو نورانیت میں لے آتے ہو''۔

یہ کچھ کس طرح ہوتا ہے؟ اس کا جواب اس سے پہلی دو آیات میں ہے جہاں کہا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿41﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿42﴾ (33:41-42)

''اے جماعت مومنین! تم قوانین خداوندی کو ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اس طرح کہ وہ کبھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں اور اس کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل میں صبح و شام (ہمیشہ اور مسلسل) سرگرم عمل رہو۔ تم ایسا کرو تو اس کے بعد تم دیکھو گے کہ خدا اور اس کے ملائکہ کی تائید اور نصرت کس طرح تمہارے ساتھ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (33:56)

''مومنین اپنی تائید و نصرت رسول کے ساتھ رکھیں یعنی اس کی کامل اطاعت کریں۔''

رہتی ہے اور تم کس طرح ظلمات پر قابو پا کر اپنی زندگی کو نورانیت میں لے آتے ہو''۔

یہ ہے برادران اسلام! خدا اور ملائکہ کی تائید و نصرت جو جماعت مومنین کو حاصل ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے جہاد مسلسل سے ''ظلمات سے نور'' کی طرف آ جائیں۔

صلوا علیہ کا عملی مفہوم:

یہ تو جماعت مومنین کے لئے کہا۔ اور اسی چیز کو نبی اکرم ﷺ کے لئے خصوصیت سے دہرایا جہاں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (33:56)

''اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں۔ ان کی تائید و نصرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے۔''

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (33:56)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (33:56)۔ یہ ایک بہت بڑا پروگرام تھا (اور ہے) جس سے مراد ہے جماعت مومنین کی طرف سے پوری پوری اطاعت اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جماعت خود بھی ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آ جائے اور اس کے بعد تمام نوع انسان کو نور کی طرف لے آئے۔

''اے جماعت مومنین! تم بھی ایسا کرو کہ تمہاری تائید و نصرت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔''

یہ وہی چیز ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ:

فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَنَصَرُوۡہُ (7:157)

''وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لائیں اور عظمت مندانہ انداز سے اس کی تائید و نصرت کریں۔''

سورہ فتح میں ہے:

لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُعَزِّرُوۡہُ وَتُوَقِّرُوۡہُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡہُ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا (48:9)

''جماعت مومنین اس نظام خداوندی کی محکمیت پر کامل یقین رکھے جو اس کے رسول کی وساطت سے متشکل ہو رہا ہے اور اس کے قیام اور استحکام کے لئے اس (رسول) کی مدد کرے اور اس کی عظمت و توقیر کو بلند کرے اور اس مقصد کے لئے ہر وقت کوشاں اور سرگرداں رہے''۔

اب سوال یہ ہے کہ جماعت مومنین۔۔۔ صلوا علیہ۔۔۔ کا فریضہ کس طرح ادا کرے؟ اس کا جواب خود قرآن نے اس مقام پر دے دیا جہاں فرمایا کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (33:56)

''وہ اپنی تائید و نصرت رسول کے ساتھ رکھیں یعنی اس کی کامل اطاعت کریں۔''

یہ ہے برادران اسلام صَلُّوۡا عَلَیۡہِ کا عملی مفہوم۔ اس مقام پر قرآن نے اطاعت کے لئے وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا کہا ہے۔ اس کی تشریح دوسرے مقام پر یوں کر دی:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (4:65)۔

''تیرا نشوونما دینے والا اس حقیقت پر شاہد ہے کہ لوگ اپنے دعویٰ ایمان میں کبھی سچے نہیں ہو سکتے جب تک ان کی عملاً یہ حالت نہ ہو کہ اپنے تمام متنازعہ فیہ امور میں تمہیں (اے رسولؐ) حکم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تو دے اس کے متعلق اپنے دلوں کے اندر بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں اور اس طرح یہ تیری پوری پوری اطاعت کریں۔

یہ ہے مفہوم۔ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا۔ کا۔ اس مقام پر یہ کہا اور سورہ اعراف میں فرمایا:

اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ (7:157)۔

''مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس رسولؐ کی تائید و نصرت کریں یعنی اس کتاب کی اتباع کریں جو اس پر نازل کی گئی ہے۔''

اس سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (33:56)۔ ایک بہت بڑا پروگرام تھا (اور ہے) جس سے مراد ہے جماعت مومنین کی طرف سے پوری پوری اطاعت اور اس سے مقصود یہ ہے کہ جماعت خود بھی ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آ جائے اور اس کے بعد تمام نوع انسان کو نور کی طرف لے آئے۔ ظاہر ہے بھائیو! کہ یہ پروگرام چند الفاظ کے دہرانے سے تو پورا نہیں ہوسکتا۔ یہ تو مسلسل جہاد چاہتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں جماعت مومنین سے کہا گیا کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (33:57)۔

''جو اللہ اور رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں نعمائے خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں۔''

یہاں ''سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' کے برعکس ''یُؤْذُوْنَ'' آیا ہے۔ لہٰذا خدا اور رسول ﷺ کو ایذا دینے کے معنی ہیں ان کی سرکشی اور معصیت، عدم اطاعت۔ یہ بعینہٖ وہ چیز ہے جو بنی اسرائیل نے کی تھی۔ چنانچہ چند ہی آیات آگے چل کر اس کی تشریح کر دی۔ جہاں فرمایا کہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی۔۔۔ (33:69)۔

''اے جماعت مومنین! دیکھنا کہیں تم اس قوم کی طرح نہ ہو جانا جس نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی۔''

قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے احکام و ہدایات کی نافرمانی کی تھی۔ اس کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

یاد رکھئے! جسے ہمارے ہاں ''درود شریف'' کہا جاتا ہے وہ مجاہدانہ سعی و عمل اور جانفروشانہ اطاعت و فرمان پذیری کا ایک عملی پروگرام ہے۔ اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھئے، کہ خدا کی کتاب، جماعت کو کچھ کرنے کا پروگرام دینے کے لئے آئی ہے۔ جب قوم سے قوت عمل جاتی رہی تو رفتہ رفتہ کرنا، پڑھنے میں بدلتا چلا گیا۔۔ اور اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے۔۔۔

وا ماندگیٔ شوق تراشے ہے پناہیں!

فیصل آباد کے احباب کے لئے ضروری اطلاع

اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین

علاوہ مندرجہ ذیل پتہ پر بھی مل سکتے ہیں۔ فیصل آباد میں ہماری دو بزموں کے

حکیم عبدالمجید ہاؤس نمبر P-1479 سٹریٹ نمبر 1، محلہ فتح آباد، فیصل آباد فون نمبر: 0322-6386991

شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اُسوۂ حسنہ (مسلسل)

رَجُل مسحور! کفار کا اتہام

(علامہ پرویز مرحوم کی تحریروں اور ملفوظات سے استفادہ پر مبنی)

کفار اور ظالمین نبی اکرم ﷺ کے متعلق یہ بھی کہتے تھے کہ آپ (معاذ اللہ) ''رجل مسحور'' ہیں یعنی آپ ﷺ پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بار بار تردید کی اور قرآنِ کریم میں بصراحت فرما دیا کہ ان لوگوں کی کتنی بڑی گمراہی ہے جو اس قسم کے بیہودہ خیالات رکھتے اور پھیلاتے رہتے ہیں القرآن (48-17:47؛9-25:8)

کفار اور ظالمین نبی اکرم ﷺ کے متعلق یہ بھی کہتے تھے کہ آپ (معاذ اللہ) ''رجل مسحور'' ہیں یعنی آپ ﷺ پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بار بار تردید کی اور قرآنِ کریم میں بصراحت فرما دیا کہ ان لوگوں کی کتنی بڑی گمراہی ہے جو اس قسم کے بیہودہ خیالات رکھتے اور پھیلاتے رہتے ہیں القرآن (48-17:47؛9-25:8)

اس مضمون میں اس بات کا جائزہ ذرا تفصیل سے لیا جا رہا ہے۔ پہلے دیکھئے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی قرآنِ کریم کی رو سے کیا عظمت ہے:

رسول کریم ﷺ کے فریضۂ رسالت اور ان کی حفاظت کے بارے میں ارشاد ہے:

(1) عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ (72:26-27)

مفہوم: ''مستقبل (غیب کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے۔ وہ اس کے متعلق کسی کو خبر نہیں دیتا البتہ وہ جس شخص کو رسالت کے لئے منتخب کرتا ہے۔ اسے مستقبل کے متعلق جس قدر بتانا مقصود ہوتا ہے وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے اور اس وحی کی حفاظت کے لئے اس کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر کر دیتا ہے (یہ وحی قرآن کے اندر ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا ہے 15:9)۔''

(2) وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾ (52:48)

مفہوم: ''(انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔اور) نظامِ خداوندی کے قیام اور استحکام کے لئے نہایت ثابت قدمی سے مصروفِ جدوجہد رہو۔تم ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ہم تمہارے نگران ہیں۔''

(3) وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ (26:217-218)

مفہوم: ''(تم اس پیغام کو ان تک پہنچاتے جاؤ،اور اس کے بعد) اپنا بھروسا خدا کے اس قانون پر رکھو جو بڑی قوتوں کا مالک ہے اور اس قابل کہ نوعِ انسانی کی ہر نشوونما کے راستے میں جس قدر رکاوٹیں پیدا کی جائیں،انہیں دور کردے۔وہ خدا تمہارے سارے پروگرام اور جدوجہد پر نگاہ رکھتا ہے۔جب تم اٹھتے ہو،تو وہ اسے بھی دیکھتا ہے۔''

تم اس حقیقت کو بھی یاد رکھو کہ تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچا دینا ہے۔تم اس کے مکلف نہیں کہ لوگ اسے بالضرور قبول بھی کرلیں (2:273؛ 10:99؛ 26:3؛ 28:56)۔جو لوگ اس کا فیصلہ کرلیں کہ ہم نے کسی کی بات ماننی ہی نہیں،خواہ وہ کیسی ہی حق وصداقت اور علم وبصیرت پر مبنی کیوں نہ ہو،تو ایسے لوگ کبھی راہِ راست پر نہیں آسکتے (2:6-7)۔''

مطلب آیات (52:48 اور 26:218) کا یہ ہے کہ اے رسول ﷺ! ان کی مخالفت سے مت گھبراؤ۔ہم تمہاری حفاظت سے بے خبر نہیں۔تم تو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔

مزید فرمایا:

(4) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾ (5:67)

مفہوم: ''اے رسول ﷺ! تم اس ضابطۂ ہدایت کو،جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، تمام انسانوں تک یکساں طور پر پہنچاتے رہو،تاکہ کوئی شخص،صحیح راہنمائی نہ پہنچنے کی وجہ سے،ہلاک نہ ہوجائے (6:70)۔تمہارا فریضہ اس پیغام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے (13:40)۔اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ فریضۂ رسالت کی عدم ادائیگی ہوگی۔تم ان لوگوں کی مخالفت کی قطعاً پروا نہ کرو۔اللہ تعالیٰ مشن کو مخالفین کی شرانگیزیوں سے محفوظ رکھے گا (3:144)۔''

تم اس حقیقت کو بھی یاد رکھو کہ تمہارے ذمے اس پیغام کا پہنچا دینا ہے۔تم اس کے مکلف نہیں کہ لوگ اسے بالضرور قبول بھی کرلیں (2:273؛10:99؛26:3؛28:56)۔جو لوگ اس کا فیصلہ کرلیں کہ ہم نے کسی کی بات ماننی ہی نہیں،خواہ وہ

کیسی ہی حق وصداقت اور علم وبصیرت پر مبنی کیوں نہ ہو، تو ایسے لوگ کبھی راہِ راست پر نہیں آسکتے (2:6-7)۔''

(5) فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ ۫ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۲۹﴾ (9:129)

مفہوم: ''اگر یہ لوگ، اس قسم کے نظام اور ایسے مشفق امیرِ کارواں سے رُوگردانی کریں، تو (اے رسول ﷺ!) تم ان سے کہہ دو کہ (مجھے تمہارے جیسے ساتھیوں کی ضرورت نہیں) میرے لئے خدا کی تائید ونصرت (اور مخلص مومنین کی رفاقت (8:64) کافی ہے۔ اُس کے سوا کائنات میں کسی کا اقتدار واختیار نہیں۔ مجھے اس کے قانون کی محکمیت پر پورا پورا بھروسا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس خدا کا ہے جو کائنات کی مرکزی اور بنیادی قوتوں کو اپنے کنٹرول میں رکھے ہے اور تمام دنیا کی ربوبیت کا ضامن ہے۔''

مؤمنین سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کی مدد کریں (نصرت)۔ تعظیم کریں (توقیر)۔ اور عَزَّرُوۡہُ۔ اس کے معنی ہیں رسول ﷺ کی ایسی مدافعت کرنا جس سے اس کی ذات اور اس کا پیغام تمام شرپسند عناصر کی تخریب سے محفوظ رہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہونے دی جائے جس سے حضور ﷺ کی ذات پر کسی قسم کا طعن آئے یا آپ کی تعظیم پر کوئی اعتراض وارد ہو۔

رسولِ خدا کی عظمت کے حوالہ سے مومنین کے لئے ارشاد ہے:

(6) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَتُعَزِّرُوۡہُ وَتُوَقِّرُوۡہُ ؕ وَتُسَبِّحُوۡہُ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا (48:8-9)

مفہوم: ''(لیکن، یہ (نظامِ خداوندی) عمل میں آئے گا، تمہارے اور تمہاری جماعت کے ہاتھوں سے۔ اس مقصد کے لئے ہم نے ایک واضح پروگرام تمہارے سامنے رکھ دیا ہے جس پر تم عمل پیرا ہو۔ اس پروگرام کی رُو سے، تمہارا فریضہ یہ ہے کہ) تم اپنی جماعت کے افراد کے اعمال کی نگرانی کرتے رہو (2:143)۔ انہیں بتاتے رہو کہ صحیح اعمال کا نتیجہ کس قدر خوش گوار ہوتا ہے اور غلط روش کس طرح انسان کو تباہیوں کی طرف لے جاتی ہے۔ اور جماعتِ مؤمنین، اس نظامِ خداوندی کی محکمیت پر یقینِ کامل رکھے جو اس کے رسول کی وساطت سے متشکل ہو رہا ہے۔ اور اس کے قیام واستحکام کے لئے اس (رسول) کی مدد کرے اور اس کی عظمت وتوقیر کو بلند کرے (7:157)۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہر وقت کوشاں اور سرگرداں رہے (33:41-42)۔''

آیت مذکورہ میں آیا ہے ''وَتُعَزِّرُوۡہُ''۔ امام راغب نے کہا ہے کہ تعزیر، نصرت کو بھی کہتے ہیں جس میں تعظیم کا جذبہ شامل ہو۔ قرآنِ کریم میں ہے وَعَزَّرۡتُمُوۡہُمۡ (5:12) تم نے اس کی مدد کی، تعظیم کے ساتھ۔ صاحب تاج العروس نے کہا

ہے کہ اس کے معنی ہیں قوت بہم پہنچانا۔ تلوار اور زبان سے مدد دینا۔

سورہ الاعراف میں ہے فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَنَصَرُوۡہُ (7:157) اور سورہ فتح کی آیت (48:9) جسے اوپر پیش کیا گیا ہے۔ ان آیات میں مؤمنین سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کی مدد کریں (نصرت)۔ تعظیم کریں (توقیر)۔ اور عَزَّرُوۡہُ۔ اس کے معنی ہیں رسول ﷺ کی ایسی مدافعت کرنا جس سے اس کی ذات اور اس کا پیغام تمام شر پسند عناصر کی تخریب سے محفوظ رہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہونے دی جائے جس سے حضور ﷺ کی ذات پر کسی قسم کا طعن آئے یا آپ کی تعظیم پر کوئی اعتراض وارد ہو۔

(7) اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (33:56)

مفہوم: ''بے شک خدا اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اس کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ اے جماعتِ مؤمنین! تم بھی اپنے نبی ﷺ کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں اس کی مدد کرو اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ اس کی پوری پوری اطاعت کرو (4:65)۔''

> سِحۡرٌ کے بنیادی معنی موڑنے اور پھیرنے کے ہیں۔ اس سے مطلب ہوتا ہے باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنا۔ تہذیب میں ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو اصل حقیقت سے غیر حقیقت کی طرف پھیر دینے کے ہیں۔ صاحبِ تاج العروس نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو۔ یعنی ایسا دھوکا جس میں پتہ نہ چلے کہ دھوکا کس طرح دیا گیا ہے۔ پھر یہ لفظ عام دھوکے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

ابتداء میں ''رَجُلِ مسحور'' کے جس اتہام کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا جائزہ لیتے وقت رسول کریم ﷺ کی اس عظمت کو مدنظر رکھا جائے گا۔ کوئی بات اس کے خلاف قابلِ قبول نہ ہوگی۔

سِحۡرٌ: اب اتہام کے مرکزی وصف ''سِحۡر'' کے متعلق قرآنِ کریم کی کچھ وضاحتیں پیش کی جائیں گی۔ پہلے لغت کے اعتبار سے سِحۡرٌ کے بنیادی معنی موڑنے اور پھیرنے کے ہیں۔ اس سے مطلب ہوتا ہے باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنا۔ تہذیب میں ہے کہ اس کے معنی کسی چیز کو اصل حقیقت سے غیر حقیقت کی طرف پھیر دینے کے ہیں۔ صاحبِ تاج العروس نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو۔ یعنی ایسا دھوکا جس میں پتہ نہ چلے کہ دھوکا کس طرح دیا گیا ہے۔ پھر یہ لفظ عام دھوکے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

قرآنِ کریم میں سحر کا تذکرہ حضرت موسیٰؑ کے جادوگروں کے مقابلہ کے سلسلے میں آیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے مقابلہ کے لئے فرعون نے ماہر جادوگروں کو بلایا تاکہ ان سے مقابلہ کروایا جائے۔ جب وہ آئے انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر پہل کی اور اپنے فن کا مظاہرہ کیا:۔

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (7:116)

مفہوم: ''موسیٰؑ نے کہا کہ تم ہی پہل کرو۔ سو جب انہوں نے اپنے مسلک کو پیش کیا، تو ان کی سحر بیانی کی چمک نے لوگوں کی نگاہوں میں خیرگی پیدا کر دی۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے لوگوں کو اس سے بھی ڈرایا (کہ تم نے فرعون کی مخالفت کی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا)۔ اور اس طرح انہوں نے بہت بڑے مکر و فریب کا جال بچھا کر رکھ دیا۔''

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۚ (7:117)

مفہوم: ''اور ہم نے موسیٰؑ سے وحی کے ذریعے کہا کہ تم اپنی تنذیرات کو پوری قوت اور شدت کے ساتھ پیش کرو۔ جب اس نے انہیں بیان کیا تو مخالفین کا فریب باطل ملیا میٹ ہو کر رہ گیا۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ (7:118)

''سو اس طرح حق ثابت ہو گیا اور اُن کا کیا کرایا سب اکارت گیا (82-10:76؛ 72-20:65)۔ یہ سب کچھ قوانینِ خداوندی کی رُو سے ہوا تھا (10:82)۔''

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (77-10:76)

مفہوم: ''چنانچہ جب ان کے سامنے ہمارا وہ نظام پیش کیا گیا جو سرتاسر حق و صداقت پر مبنی تھا تو انہوں نے یہ کہہ کر اس سے انکار کر دیا، کہ یہ کھلا ہوا جھوٹ اور باطل ہے۔ موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ کیا تم اس حق کے متعلق جو تمہارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، یہ کہتے ہو کہ وہ جھوٹ اور باطل ہے۔ یاد رکھو! جن لوگوں کے دعویٰ جھوٹ اور باطل پر مبنی ہوتے ہیں، وہ کبھی کامیابی کا مُنہ نہیں دیکھا کرتے۔ (اور تم دیکھ لو گے کہ میں اپنے مشن میں کس طرح کامیاب ہوتا ہوں)۔''

اس ابتدائی گفتگو کے بعد جادوگر بلائے گئے۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر پہل کی اور اپنی بات پیش کی اس کے بعد ہے:

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ (82-10:81)

مفہوم: ''جب انہوں نے اپنے دعاوی اور دلائل کو پیش کر دیا، تو موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ تم نے پیش کیا ہے وہ یکسر باطل اور فریب پر مبنی ہے (اس کی حقیقت کچھ نہیں)۔ اسے اللہ عنقریب ملیا میٹ کر دے گا۔ اس لئے کہ تمہارے اس باطل مذہب اور نظام کا منشا انسانیت میں فساد برپا کرنا ہے اور خدا کا قانون یہ ہے کہ فسادِ

آدمیت پیدا کرنے والوں کے کام کبھی سنورا نہیں کرتے۔ لہٰذا، تم دیکھ لوگے کہ اللہ اپنے قانونِ محکم کے ذریعے، کس طرح (تمہارے فساد برپا کرنے والے نظام کے مقابلہ میں) تعمیری نتائج پیدا کرنے والے نظام حق وانصاف کو محکوم طور پر قائم کرتا ہے، خواہ اس کا ثبات وقیام اس پارٹی پر کتنا ہی گراں کیوں نہ گزرے جس نے ظلم وستم پر کمر باندھ رکھی ہے (نظامِ خداوندی کا غلبہ کَلِمٰت اللہ۔۔۔ قوانینِ خداوندی۔۔۔ کے مطابق ہوتا ہے، خواہ دلائل وبراہین کی رُو سے ہو، اور خواہ سرکش قوتوں کے مقابلہ میں میدانِ جنگ میں (8-8:7)۔''

(جب یہ لوگ تمہاری مجلسوں میں آکر بیٹھتے ہیں اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ) یہ تمہاری باتیں بڑے غور سے سن رہے ہیں، تو جیسا کچھ یہ فی الحقیقت سن رہے ہوتے ہیں، ہم اُسے خوب جانتے ہیں (47:16؛10:42؛7:188) اس کے بعد یہ اپنے ہم نواؤں سے جاکر ملتے ہیں اور ان سے خفیہ مشورے کرتے ہیں اور مومنین سے، نہایت طعن آمیز انداز سے کہتے ہیں کہ تم ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگ رہے ہو جس پر کسی نے جادو کر رکھا ہے (17:47)

اسی واقعہ کو سورہ طٰہٰ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (20:66)

مفہوم: ''موسیٰ ؑ نے کہا کہ تم ہی پہل کرو اور (اپنے دعووں کی تائید میں) جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے پیش کرو۔ چنانچہ انہوں نے (حبل اللہ۔ دین خداوندی) کے مقابلہ میں اپنا مذہب (حبل) اور موسیٰ ؑ کے دعاوی کی تردید میں اپنے دعاوی پیش کئے۔ ان کا اندازِ بیان اس قدر سحر انگیز تھا کہ موسیٰ ؑ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں ان دلائل (محض لفاظی کے زور پر) موثر نہ ہوجائیں اور اس طرح وہ کامیاب نہ ہوجائیں۔''

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ (68-20:67)۔

مفہوم: ''اس احساس سے موسیٰ ؑ اپنے جی میں گھبرایا (7:116)۔ تو ہم نے اسے (تسلی دی اور) کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تم ان پر ضرور غالب آجاؤ گے۔''

وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ (20:69)

مفہوم: ''انہوں نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ سب وفریب انگیز ہیں۔ اور فریب دہی کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتی، خواہ وہ کسی کی طرف سے کیوں نہ ہو۔ (یہ بات کہ ان مذہبی پیشواؤں کے ساتھ حکومت کی تائید بھی شامل ہے، عوام کو مرعوب کرسکتی ہے، لیکن تمہارے دلائل کے سامنے ان کی پیش نہیں جاسکتی)۔ اس لئے تم

ان قوانینِ خداوندی کو جنہیں تم نے باعثِ یمن وسعادت پایا تھا (20:17) روشن دلائل کے ساتھ پیش کرو (7:107-108؛ 7:115-116)۔''

ان آیاتِ کریمہ سے ظاہر ہے کہ سحر ایک دھوکا ہے ایک خفیہ سازش (کید) ہے، جھوٹ ہے (اِفک)، باطل ہے، عملِ مفسدین ہے۔ بناوٹ ہے ہتھکنڈہ ہے (صنعت) اور ایسا کرنے والے مجرم ہیں۔ ایک واضح بات یہ ہے کہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا (لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (10:77)) اور جادوگر ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا جس حیثیت سے بھی آئے۔ (لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (20:69))۔

نبیٔ کریم ﷺ کی قرآن کی رُو سے عظمت جاننے اور سحر کے بارے میں قرآن کی تصریحات معلوم کرنے کے بعد اب دیکھئے کہ مخالفین کا رسول کریم ﷺ پر رُجل مسحور ہونے کا اتہام قرآنِ کریم نے کس طرح بیان کیا اور کیسے تردید فرمائی ہے:۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ (17:47)

مفہوم: ''(جب یہ لوگ تمہاری مجلسوں میں آکر بیٹھتے ہیں اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ) یہ تمہاری باتیں بڑے غور سے سن رہے ہیں، تو جیسا کچھ یہ فی الحقیقت سن رہے ہوتے ہیں، ہم اُسے خوب جانتے ہیں (47:16؛ 10:42؛ 7:188) اس کے بعد یہ اپنے ہم نواؤں سے جا کر ملتے ہیں اور ان سے خفیہ مشورے کرتے ہیں اور مومنین سے، نہایت طعن آمیز انداز سے کہتے ہیں کہ تم ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگ رہے ہو جس پر کسی نے جادو کر رکھا ہے (اور وہ معاذ اللہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے)۔''

> یہ تو نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں کفار کہتے تھے لیکن۔۔۔ آپ حیران ہوں گے کہ خود مسلمان ایک ہزار سال سے یہ عقیدہ لئے بیٹھے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر ضرور جادو کیا گیا تھا اور آپ ''رجل مسحور'' تھے۔ یقیناً یہ امر آپ کے لئے موجب تعجب ہوگا کہ مسلمان ایک ایسا عقیدہ کس طرح رکھ سکتے ہیں جو صریحاً قرآن کے خلاف ہو۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ (17:48)

مفہوم: ''اے رسول ﷺ! دیکھو، یہ لوگ تمہارے متعلق کس قسم کی باتیں کرتے ہیں؟ ان کا یہی تعصب ہے جس کی وجہ سے یہ ایسی گمراہی میں پڑ چکے ہیں کہ اب سیدھی راہ پا نہیں سکتے۔ (جس کی آنکھوں پر نفرت اور تعصب کی پٹی بندھی ہو، اسے سیدھی راہ کیسے نظر آسکتی ہے؟)۔''

اس مقام کے علاوہ سورہ الفرقان میں یوں آیا ہے:

۔۔۔وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ

فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹ (25:8-9)

مفہوم: ''۔۔۔ یہ ظالم اسی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ لوگوں کو ورغلاتے رہتے ہیں کہ تم ایک ایسے شخص کی پیروی کیوں کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے (اور اس طرح معاذ اللہ اس کا دماغ چل گیا ہے)۔ اے رسول ﷺ! تم سنتے جاؤ کہ یہ تمہارے متعلق کیا کچھ کہتے ہیں؟ (لیکن اس سے تمہارا کیا بگڑتا ہے) یہ خود ہی زندگی کے صحیح راستے سے بھٹک چکے ہیں اور اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔''

یہ تو نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں کفار کہتے تھے لیکن۔۔۔ آپ حیران ہوں گے کہ خود مسلمان ایک ہزار سال سے یہ عقیدہ لئے بیٹھے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر ضرور جادو کیا گیا تھا اور آپ ''رجل مسحور'' تھے۔ یقیناً یہ امر آپ کے لئے موجب تعجب ہوگا کہ مسلمان ایک ایسا عقیدہ کس طرح رکھ سکتے ہیں جو صریحاً قرآن کے خلاف ہو اور جس سے نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس کے خلاف ایسا طعن پایا جائے لیکن اس کے باوجود عقیدہ موجود ہے اور اس کی بنیاد ہے ایک ایسی حدیث پر جو بخاری میں موجود ہے۔ چنانچہ بخاری جلد دوم (مطبوعہ مصر)، ص: 137، میں ہے۔

عن عائشة قالت سحر النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَتّٰى كَانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهٗ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا يَفْعَلُهٗ حَتّٰى كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ دَعَا وَدَعَا ثُمَّ قَالَ اَشَعَرْت انَّ اللهَ اَفْتَانِيْ فيمافيه شِفَائِي اَتَانِي رَجُلَانِ فقعدا احد هما عند رأسِيْ وَالْاٰخَرُ عند رجلي فقال احد هما لِلْاٰخَرِ ماوجع الرَّجُلِ قَالَ مطبوبٌ قال ومن طَبَّهٗ قال لَبِيْدُبْنُ اَلَا عْصَمِ قال فيماذا قال فی مُشْطٍ وَّمَشَّاقَةٍ وجُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ قَالَ فَاَيْنَ هو قال فی بِئْرِ ذَرْوَانَ فَخَرَج اليها النَّبِيُّ صَلعم ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لِعَائِشَةَ حِيْنَ رَجَعَ نَخْلُهَا كَاَنَّهَا رُؤُس الشَّيَاطِيْنَ فَقُلْتُ اِسْتَخْرَجَ جنهٗ فَقَالَ لَا اَمَّا اَنَا فَقَدْ شَفَانِي اللهُ وَخَشِيْتُ اَنْ يُثِيْرَ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا ثُمَّ دُفِنَتْ الْبِئْرُ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر ایسا جادو کیا گیا تھا کہ آپ خیال کرتے تھے کہ میں نے فلاں کام کر لیا حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ ایک روز حضور ﷺ نے دعا کی، پھر دعا کی۔ دعا کے بعد مجھ سے فرمایا۔ عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے وہ حکم دیا جس میں میری صحت (مضمر) ہے۔ میرے پاس (خواب میں) دو آدمی آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھا۔ دوسرا پائنتی ایک دوسرے سے بولا اس شخص کو کیا بیماری ہے! اس نے کہا اس پر جادو کیا ہوا ہے۔ پہلا شخص بولا کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے کہا لبید ابن اعصم نے۔ پہلے نے پوچھا۔ کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کنگھی میں اور کنگھی سے جھڑے ہوئے بالوں اور نر چھوارے کے غلاف میں۔ پہلا بولا یہ چیزیں کہاں رکھی ہیں؟ دوسرا بولا چاہ ذروان میں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ذروان پر تشریف لے گئے اور لوٹ کر مجھ سے فرمایا کہ اس کنویں کے کھجور کے درخت شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضور ﷺ نے جادو کی چیز وہاں سے نکال ڈالی؟ فرمایا نہیں لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرما دی۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں لوگ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد وہ

کنواں پاٹ دیا گیا۔

غور کیجئے صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاندین اسلام کی مذموم کوششوں کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے ایک روایت وضع کی اور امام بخاریؒ نے اُسے اپنے مجموعہ میں شامل کرلیا۔ اب مسلمان اُسے ہزار برس سے سینہ سے لگائے لگائے پھر رہا ہے اور نہیں سوچتا کہ یہ قرآنِ کریم کی تصریحات کے کس قدر خلاف ہے اور نبی کریم ﷺ کی عظمت وشان کے کس درجہ منافی! لیکن اسے تو تعلیم یہ دی گئی ہے کہ سب کچھ روا رکھا جاسکتا ہے لیکن یہ سننا برداشت نہیں کیا جاسکتا کہ امام بخاریؒ نے اپنے مجموعہ میں ایک غلط روایت شامل کرلی ہے! یہ ہے وہ شخصیت پرستی جو ہمیشہ سے حق پرستی کے راستہ میں حائل ہوتی چلی آرہی تھی اور جسے مٹانے کے لئے قرآن کریم آیا تھا لیکن مسلمانوں نے قرآن کو غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دیا اور اطاعت پھر اشخاص کی شروع کردی نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔

ایک نبی کی ذات گرامی اس قدر نشوونما یافتہ اور مستحکم ہوتی ہے اور اس کی قوتِ ایمانی اس قدر مضبوط کہ اس کے مقابلہ میں ساحرین کی نفسیاتی قوت ایک ثانیہ کے لئے بھی ٹھہر نہیں سکتی، چہ جائے کہ وہ نبی کو متاثر کردے اور وہ ان کے فریب سحر میں آجائے۔ یہ ناممکن ہے۔ نبی پر اس قسم کا اثر کبھی نہیں ہوسکتا۔ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ تم اے رسول ﷺ! ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے ہو، ہم تمہاری نگہداشت کررہے ہیں (52:48) اور (18۔26:217) اور تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیں گے (5:67)، اس امر کی ضمانت ہے کہ آپ ایک یہودی کے جادو کے شر سے بہرطور محفوظ و مامون رہے۔ یہ جادوگروں کی جعل سازی اور افسانہ طرازی ہے جو ہماری کتابوں میں جگہ پاگئی ہے۔ مزید وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى (20:69) کی ضمانت کسی یہودی ساحر کی کامیابی کی نقیض ہے۔

نبی کی ذات گرامی اس قدر نشوونما یافتہ اور مستحکم ہوتی ہے اور اس کی قوتِ ایمانی اس قدر مضبوط کہ اس کے مقابلہ میں ساحرین کی نفسیاتی قوت ایک ثانیہ کے لئے بھی ٹھہر نہیں سکتی، چہ جائے کہ وہ نبی ﷺ کو متاثر کردے اور وہ ان کے فریب سحر میں آجائے۔ یہ ناممکن ہے۔ نبی پر اس قسم کا اثر کبھی نہیں ہوسکتا۔ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

علامہ پرویزؒ مرحوم کی جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

1۔ مفہوم القرآن

2۔ معراج انسانیت

3۔ لغات القرآن

4۔ مطالب الفرقان فی دروس القرآن

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نسخ آیات کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ایک گہری سازش ہے

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حفاظتِ قرآن کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے (15:9) رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کو اپنے سامنے تحریر کرایا اور حضور ﷺ کے اپنے دور میں قرآنِ کریم کے بہت نسخے موجود تھے۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا تھا کہ جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو قرآن کا نسخہ ساتھ لے کر نہ جاؤ۔ تم میں سے جو مجاہد شہید ہو جاتا ہے اس کی شہادت کے بعد اس نسخہ کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو حفظ کیا۔ ایک ہی جنگ موتہ میں ہی ستر کے قریب حفاظ قرآن شہید ہو گئے تھے۔ اس موجودہ دور میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک، آپ قرآن کے نسخوں کو Compare کریں، ایک آیت کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔

ایک صاحب ہیں جن کا اصلی نام ہم تحریر نہیں کرنا چاہتے۔ ان کا قلمی نام ابن وراق ہے۔ یہ صاحب ملک فرانس کے کسی قصبہ کے کسی سکول میں ٹیچر ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب Why I am not a Muslim اور دوسری کتاب Origine of Quran تصنیف کی ہے۔ دونوں کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ ان صاحب نے مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک کے قرآنی نسخے جمع کئے تا کہ قرآنِ کریم کے اس وعدے کو جو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا کہا ہے، اس کی تردید کر سکیں۔ کوشش بسیار کے باوجود انہیں اس مہم میں کامیابی نہیں ہو سکی کہ وہ قرآن کے نسخوں میں کوئی فرق دکھا سکیں۔ البتہ انہوں نے قرأتوں میں کچھ فرق اکٹھا کیا ہے اور قرأت کے ان اختلاف کو بنیاد بنا کر ایک مختصر سی کتاب Which Quran لکھ ڈالی۔ لیکن قرآن کریم کے متن میں وہ کوئی کمی بیشی نہیں دکھا سکے۔ ہمارے نزدیک ان کی یہ کوشش قرآن کے خلاف نہیں جاتی، بلکہ قرآن کے محفوظ ہونے کے دعویٰ کی تصدیق ہو گئی۔

> اصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم ایک خاص سکیم اور پلاننگ کے مطابق نازل ہوا۔ یہ انسانیت کے تقاضوں کے مطابق نازل ہوا۔ قیامت تک کے مسائل کا حل اس کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ انسانیت کو جس قدر آیات درکار تھیں وہ سب نازل ہوئیں نہ ایک آیت اس سے کم نہ ایک آیت اس سے زیادہ۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے، اور حضور ﷺ کی کتابت قرآن کے باوجود مسلمانوں نے قرآنِ کریم کے خلاف اتنی سازشیں

کیں تا کہ قرآنِ کریم کا اصل مفہوم سامنے نہ آئے۔ خود قرآن نے قرآن فہمی کے جو اصول دیئے ہیں، مسلمان مفسرین نے ان اصولوں کو بالکل نظر انداز کر کے، قرآنِ کریم کی تفسیریں تحریر کرنا شروع کر دیں۔ قرآن نے قرآن کو سمجھنے کے لئے تصریف آیات کا اصول مقرر کیا تھا کہ قرآن کو قرآن سے ہی سمجھنا چاہیئے۔ (6:65، 6:46) اس طرح تفسیر قرآن میں خارج از قرآن نظریات داخل نہیں ہو سکتے۔ لیکن مفسرین نے قرآن کی تفسیر روایات کے ذریعہ کرنا شروع کر دی جس کی وجہ سے قرآنی نظریات تو پیچھے چلے گئے، اور روایات کے پیش کردہ عقائد اہمیت حاصل کر گئے اور پھر اس تفسیر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا جس سے قرآنِ کریم میں غور و فکر کرنے کا دروازہ خود ہی بند ہو گیا۔

دوسری سازش یہ کہ روایات، جو رسول اللہ ﷺ سے اڑھائی سو اور تین سو سال بعد جمع کی گئی تھیں انہیں بھی وحی خفی، قرار دے دیا گیا اور ان کا درجہ مثلہٗ معہٗ، قرآن کی مثل قرآن کے ساتھ قرار دے دیا۔

تیسری سازش شانِ نزول کا نظریہ ہے کہ ہر آیت کے نزول کا ایک پس منظر ہوتا تھا، اور وہ واقعہ ہی اس کے نزول کا سبب ہوتا تھا۔ اس طرح آیت کی ابدیت اور عالم گیریت ختم ہو جاتی ہے۔ آپ غور کریں کہ اگر وہ واقعہ وقوع پذیر نہ ہوتا تو کیا وہ آیت نازل نہ ہوتی۔ یا اگر زیادہ واقعات وقوع پذیر ہو جاتے تو زیادہ آیتیں نازل ہو جاتیں۔ اصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم ایک خاص سکیم اور پلاننگ کے مطابق نازل ہوا۔ یہ انسانیت کے تقاضوں کے مطابق نازل ہوا۔ قیامت تک کے مسائل کا حل اس کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔ انسانیت کو جس قدر آیات درکار تھیں وہ سب نازل ہوئیں نہ ایک آیت اس سے کم نہ ایک آیت اس سے زیادہ۔

> معاشرے بہت سادہ تھے انسان کی عقلی سطح کے مطابق معاشروں کے مسائل حل کرنے کے لئے احکامات آتے رہے۔ پہلے جزئیات زیادہ ہوتی تھیں۔ عقل انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ جزئیات کم اور اصول زیادہ دیئے جانے لگے۔ جب انسانیت بالغ ہوگئی تو قرآنِ کریم وحی کیا گیا۔ اس میں اصول زیادہ ہیں جن کی جزئیات قرآنی نظام خود طے کرے گا۔

چوتھی سازش نسخ آیات کا عقیدہ ہے نسخ آیات کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کر دیتی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس کی مثالیں دی گئی ہیں۔ اس تفسیر میں تحریر ہے ''پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاوند مر جائے ایک سال تھی۔ لیکن پھر چار مہینے دس دن ہوئی اور دونوں آیتیں قرآنِ پاک میں موجود ہیں۔ قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبہ اللہ ہو گیا اور دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے۔ پہلے کے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلہ سے نہ ہٹے۔ لیکن پھر یہ حکم منسوخ کر کے دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور یہ دونوں آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں۔ اسی طرح پہلے حکم تھا کہ نبی سے سرگوشی کرنے سے پیشتر کچھ صدقہ دیا کرو، پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور یہ دونوں آیتیں قرآن میں موجود ہیں، وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد اوّل، صفحہ:173)

اس عقیدہ کے متعلق تفسیر مظہری میں ہے ''جاننا چاہئے کہ جس آیت کا حکم منسوخ ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ اس حکم منسوخ کی جگہ دوسرا حکم قائم مقام ہو جیسے اپنے رشتہ داروں کو وصیت کرنا، میراث سے منسوخ ہو گیا اور ایک سال کی عدتِ وفات کا ہونا چار ماہ دس روز سے منسوخ ہو گیا اور دوسری قسم وہ ہے کہ دوسرا حکم قائم مقام نہ ہو۔ جیسے عورتوں کا امتحان کہ ابتداء میں تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا اور نسخ اوامر و نواہی پر وارد ہوتا ہے اخبار پر نسخ جاری نہیں ہوتا۔

(تفسیر مظہری، جلد اوّل، صفحہ:150)

گذشتہ ادوار کے تمام مفسرین نسخ آیات کے عقیدہ کو تسلیم کرتے تھے لیکن یہ عقیدہ اس درجہ غیر دانشمندانہ عقیدہ ہے کہ ذہن انسانی اس کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ موجودہ دور کے اکثر مفسرین نے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے سے ابا کیا ہے حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنی تفسیر میں متعلقہ آیت کی تفسیر ایسی لکھی ہے کہ نہ تو اس عقیدہ کو کھل کے رد کیا ہے اور نہ ہی واضح طور پر قبول کیا ہے۔ انہوں نے ''گاندھی جی بھی خوش رہیں، راضی رہے سرکار بھی'' کا اصول اختیار کیا ہے۔

جو آیۂ کریمہ اس عقیدہ کی بنیاد ہے وہ یہ ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ (2:106) ترجمہ: ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم سے کم ویسی ہی۔ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں مولانا مودودی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے ''یہ ایک خاص شبہ کا جواب ہے جو یہودی مسلمانوں کے دل میں ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا اعتراض یہ تھا کہ اگر پچھلی کتابیں بھی خدا کی طرف سے آئی تھیں اور یہ قرآن بھی خدا کی طرف سے ہے تو ان کے بعض احکام کی جگہ اس میں دوسرے احکام کیوں دیئے گئے ہیں۔ ایک ہی خدا کی طرف سے مختلف وقتوں میں مختلف احکام کیسے ہو سکتے ہیں۔ پھر تمہارا قرآن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہودی اور عیسائی اس تعلیم کے ایک حصہ کو بھول گئے جو انہیں دی گئی تھی۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی تعلیم اور وہ حافظوں سے محو ہو جائے۔ یہ ساری باتیں وہ تحقیق کی خاطر نہیں بلکہ اس لئے کرتے تھے کہ مسلمانوں کو قرآن کے من جانب اللہ ہونے میں شک ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مالک ہوں، میرے اختیارات غیر محدود ہیں اپنے جس حکم کو چاہوں منسوخ کر دوں اور جس چیز کو چاہوں حافظوں سے محو کر دوں۔ مگر جس چیز کو میں منسوخ کرتا ہوں یا محو کرتا ہوں اس سے بہتر چیز اس کی جگہ پر لاتا ہوں یا کم سے کم وہ اپنے عمل میں اتنی ہی مفید اور مناسب ہوتی ہے۔ جتنی پہلی چیز اپنے محل میں تھی۔''

تفسیر عروۃ الوثقیٰ نے ہماری تائید کی ہے اور نسخ آیت کے عقیدہ کی تردید کی ہے۔ انہوں نے بہت لمبی اور طویل بحث کی ہے جو ہم ساری یہاں نقل نہیں کر سکتے۔ ہم اس کا صرف ایک مختصر پیراگراف نقل کر رہے ہیں۔

انہوں نے رقم فرمایا ''لیکن افسوس کہ مفسرین نے آیت کے لفظ سے قرآن کریم کی آیات مراد لے کر، ایک طرح کا الٹا مفہوم بیان کر دیا۔ حالانکہ آیت کے لفظ سے یہ ضروری نہیں تھا کہ قرآن کی آیت مراد لی جاتی بلکہ اکثر اس کا استعمال سابقہ شرائع پر بھی ہوا ہے جیسے ارشاد ہے: اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ (7:35) ترجمہ: یعنی جب

بھی تمہارے پاس رسول آئے اور اُنہوں نے میری آیات کو تم پر بیان کیا۔ ظاہر ہے قرآن کے علاوہ پہلی کتابوں کے احکام پر بھی آیات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پس سیاق وسباق مضمون بتاتا ہے کہ یہاں جن احکام کے نسخ کا ذکر ہو رہا ہے وہ سابقہ شریعت کے احکام ہیں، نہ کہ خود قرآن کے (عروۃ الوثقیٰ، جلد اوّل، صفحہ:452)۔

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم عربی ادب کے امام تھے ہمارے خیال میں ان کی تفسیر ''تدبر قرآن'' اس دور کی بہترین تفسیروں میں سے ایک ہے انہوں نے اپنی تفسیر میں اسلاف کی عام روش سے بہت کم مقامات پر اختلاف کیا ہے لیکن نسخ آیات کا عقیدہ، اس درجہ غیر دانشمندانہ ہے کہ انہوں نے بھی ہمارے نظریہ کی تائید کرتے ہوئے، نسخ آیات کے نظریہ کی مخالفت وتردید کی ہے مولانا اصلاحی نے تقریباً دس صفحات اس نظریہ کی تردید میں رقم فرمائے ہیں۔ ہم ان کی تفسیر سے مختصر ترین اقتباس تحریر کر رہے ہیں۔ انہوں نے تحریر فرمایا ''اوپر نسخ سے متعلق جو آیت تحریر ہے اس پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ فرمایا: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ ، جو آیت بھی ہم منسوخ کرتے ہیں یا اس کو نظر انداز کرا دیتے ہیں، اس سے بہتر یا اس کی مانند دوسری آیت لاتے ہیں سیاق وسباق اور نظم کلام کی روشنی میں ہم نے اس آیت کا تعلق صرف ادیان سابقہ سے مانا ہے۔ اہلِ کتاب نے یہ اعتراض جو اٹھایا تھا کہ قرآن جب ہماری کتابوں کو آسمانی تسلیم کرتا ہے تو اس کی تعلیمات کو منسوخ کیوں کرتا ہے قرآن نے یہ ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔

انسان نے جب سے تمدنی زندگی بسر کرنی شروع کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعثت انبیاء کا سلسلہ شروع ہوا جو انسانیت پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے (3:164) ان میں ہر رسول اور ہر نبی اپنے ساتھ اپنی کتاب لاتا تھا (57:35) معاشرے بہت سادہ تھے انسان کی عقلی سطح کے مطابق معاشروں کے مسائل حل کرنے کے لئے احکامات آتے رہے۔ پہلے جزئیات زیادہ ہوتی تھیں۔ عقل انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ جزئیات کم اور اصول زیادہ دیئے جانے لگے۔ جب انسانیت بالغ ہوگئی تو قرآنِ کریم وحی کیا گیا۔ اس میں اصول زیادہ ہیں جن کی جزئیات قرآنی نظام خود طے کرے گا۔ سابقہ انبیاء کرام کی وحی میں جو آیات اس سابقہ دور کے مطابق تھیں، ان کو منسوخ کر دیا گیا، اور ان کی جگہ نئی آیات، زمانہ کے تقاضوں کے مطابق دے دی گئیں۔ ہمارے مفسرین کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے سابقہ ادیان کی آیات کی بجائے، خود قرآن کی آیات میں نسخ جاری کر دیا۔ اصل غلطی صرف یہی ایک ہے کہ تبدیلی سابقہ ادیان کی کتب کی آیات میں ہوتی ہے۔ قرآن کی آیات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ منسوخ سابقہ کتب کی آیات ہوئی ہیں۔ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ قرآن کی ہر آیت ہمالیہ پہاڑ کی طرح محکم ہے۔ اس کی کسی آیت کو کوئی شخص نہیں ہلا سکتا۔

مفسرین نے اس نکتہ پر بہت طویل بحث کی ہے ہم نے ساری بحث سمیٹ کر، اس کا ملخص آپ کی خدمتِ عالی میں پیش کر دیا ہے۔ ہمارے علماء کا موجودہ نظریہ کہ قرآن کی ایک آیت، قرآن کی دوسری آیت کو منسوخ کر دیتی ہے۔ یہ نہ صرف قرآن کے خلاف ہے بلکہ قرآن کے خلاف ایک بہت گہری سازش ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

دوقومی نظریہ پاکستان والی
اسلامی مملکت میں اِنسانی ذات کا ارتقاء

باب نمبر:3

حیوان کی احساسی جبلی زندگی سے علم وآزادیِ اِرادہ کی پیکرِ اِنسانی ذات میں ارتقاء

انسانی ذات کے لئے حافظہ کی اہمیت:

انسانی ذات اپنے فیصلوں کو بروئے کار لانے کے لیے جسم کے اعضا اور جوارح کو اپنا آلہ کار بناتی ہے، اِس لئے کہ انسان کے تمام اعمال اس کے ذہن پر نقوش مرتب کرتے ہیں۔ ذہن اپنے ان نقوش کو دماغ کے ذریعے مشہود کرتا ہے، اس کا نام حافظہ ہے۔ اگر دماغ کسی بیماری یا حادثہ سے مفلوج ہوجائے تو وہ ذہنی نقوش کو ابھار کر سامنے لانے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ جب یہ اچھا ہوجائے تو اس میں پھر وہی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔

> حافظہ کا بیشتر مدار اس پر ہے کہ وہ چیز جسے یاد رکھنا مقصود ہے بامعنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ معنویت کا تعلق انسانی نفس سے ہے نہ کہ عصبی نظام سے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ انسانی نفس معنوں کو محفوظ رکھنے کی جو صلاحیت رکھتا ہے اسے انسانی جسم کی موت کے بعد بھی اِنسانی ذات اپنے ساتھ آگے لے جائے اور یوں اس دنیا کا تسلسل موت کے بعد بھی قائم رہے۔

برگسان نے اس نکتہ کے متعلق بھی گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ حافظہ ان نقوش کا نام ہے جو انسان کے دماغ پر مرتب ہوتے ہیں، اس لیے مرنے کے بعد یہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی بہت سی عادات کی جڑ اس کے عصبی نظام میں پیوست ہوتی ہے، اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ حافظہ کلیتہً انسانی نفس کا عمل ہے، علاوہ بریں کسی حادثہ کی وجہ سے حافظہ کا جاتے رہنا یا بڑھاپے میں اسکا کمزور ہوجانا اس بات کی شہادت ہے کہ حافظہ کا دارومدار ذہنی نقوش اور اعصابی نظام پر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان چیزوں پر حافظہ کا مدار ہے کس حد تک؟

پروفیسر شروڈنگر نے اس نفس انسانی یا میں کا تجزیہ اپنی کتاب کے خاتمے میں یوں کیا ہے کہ ''میں'' کیا ہے۔ اگر آپ اس کا تجزیہ کریں تو آپ دیکھیں گے

کہ یہ انسانی تجارب اور حافظہ کے مجموعہ سے کچھ زیادہ ہے یہ وہ پردہ ہے جس پر حافظہ اور تجربہ کے نقوش جمع ہوتے ہیں۔ اگر آپ اپنی داخلی دنیا کا بغور مطالعہ کریں گے تو آپ پر حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ جسے آپ ''میں'' کہتے ہیں وہ اس بنیاد کا نام ہے جس پر حافظہ اور تجربہ کی عمارت اٹھتی ہے..... اگر کوئی ماہر عمل تنویم ایسا بھی کر دے کہ تمہاری تمام سابقہ یادداشت ذہن سے محو ہو جائے تو تم دیکھو گے کہ اس سے تمہاری ''میں'' کی موت واقع نہیں ہو جاتی۔ انسانی ذات کبھی ضائع نہ ہوتی ہے اور نہ ہو سکے گی۔

ایک جرمن ماہر حیاتیات ڈریش (Driesh) نے معمل (تجربہ گاہ) کے اندر تجربات کر کے ثابت کیا ہے کہ جسم حیوانی کے اندر ایک ایسا مقصد یا مدّعا کارفرما ہوتا ہے جو اس کی شکل وصورت کو متعیّن کرتا ہے۔ ڈریش کے تجربات اس نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ حیوان جسم کی ایک خاص شکل وصورت کو حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لیے ایک اندرونی میلان کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ایک حافظہ کی یاداشتِ مجموعہ اشیاء کی طرح نہیں بلکہ ایک ناقابلِ تقسیم کلّ یا وحدت کی طرح عمل کرتا ہے جس کے اندر ایک رجحان طبیعت ایسا ہے جو اس کل یا وحدت کی ضروریات کی خبر رکھتا ہے۔

> حافظہ ذاتی تجربات تک ہی محدود ہوتا ہے مگر تخیل دوسرے اشخاص کے تجربات بھی ہو سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ حافظہ صِرف یادآوری سے تعلق رکھتا ہے مگر تخیل تخلیقی بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا تخیل میں ہم اپنے یادآوردہ تصورات کو اِس طرح ملاتے ہیں اور اِس نئے انداز سے شکل دیتے ہیں کہ اُن میں ندرت پیدا ہو جاتی ہے۔

لہٰذا یہ واقعہ ہے کہ حافظہ کا مدار کلیتہً یا زیادہ حد تک ذہنی نقوش پر نہیں اس لیے کہ اگر ایسا ہو تو حافظہ کا مدار براہ راست کسی بات کے دہرانے پر ہو گا لیکن یہ امر واقعہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حافظہ کا بیشتر مدار اس پر ہے کہ وہ چیز جسے یاد رکھنا مقصود ہے بامعنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ معنویت کا تعلق انسانی نفس سے ہے نہ کہ عصبی نظام سے۔ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ انسانی نفس معنوں کو محفوظ رکھنے کی جو صلاحیت رکھتا ہے اسے انسانی جسم کی موت کے بعد بھی اِنسانی ذات اپنے ساتھ آگے لے جائے اور یوں اس دنیا کا تسلسل موت کے بعد بھی قائم رہے۔ اگر اس زندگی میں جسمانی تغیرات کے باوجود نفس انسانی معنوں کو بعینہ برقرار رکھ سکتا ہے تو اس سے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ انہیں اِس زندگی کے بعد بھی موت کے پیدا کردہ تغیرات کے باوجود محفوظ رکھ سکے گا۔ لہٰذا اگر انسانی جسم سارے کا سارا ختم ہو جائے تو بھی انسانی ذات کا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔ یعنی اگر اس کی طبیعی موت واقع ہو جائے تو اس کی ذات پھر بھی باقی رہتی ہے۔ موت کا دھچکا انسانی ذات کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ اِنسانی ذت محض حافظہ کا نام نہیں، بلکہ یہ آزاد ارادی اعمال کی شکل کے اخلاقی نظریہ میں حیات بعد الممات میں بھی زندہ جوابدہی کے لئے دستیاب رہتی ہے۔

برگسان نے اس نکتہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ حافظہ ان نقوش کا نام ہے جو انسان کے دماغ پر مرتب ہوتے ہیں، اس لیے مرنے کے بعد یہ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی بہت سی عادات کی جڑ اس کے عصبی نظام میں پیوست ہوتی ہے، اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ حافظہ کلیتہً انسانی نفس کا عمل ہے، علاوہ بریں کسی حادثہ کی وجہ سے حافظہ کا جاتے رہنا یا بڑھاپے میں اسکا کمزور ہوجانا اس بات کی شہادت ہے کہ حافظہ کا دارومدار ذہنی نقوش اور اعصابی نظام دونوں پر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس حد تک؟

حافظہ کی طرح تخیل کا بھی ذہنی اختراع سے تعلق جوڑا جاتا ہے۔ دونون گزشتہ واقعات اور تجربات کی یادآوری سے تعلق رکھتے ہیں۔ فرق صِرف اتنا ہے کہ حافظہ سے مراد صِرف ماضی کی یادآوری ہے۔ تخیل صِرف یادآوری ہی نہیں ہوتا بلکہ اِس میں یادآوردہ تجربات کی کم وبیش ترمیم بھی شامل ہوتی ہے۔ تخیل میں ماضی اپنی اصل شکل اور ترتیب میں وارد نہیں ہوتے، بلکہ بدلے ہوئے انداز میں وارد ہوتے ہیں۔ یہ اِس لئے بھی کہ حافظہ ذاتی تجربات تک ہی محدود ہوتا ہے مگر تخیل دوسرے اشخاص کے تجربات بھی ہوسکتا ہے۔ اِس کے علاوہ حافظہ صِرف یادآوری سے تعلق رکھتا ہے مگر تخیل تخلیقی بھی ہوتا ہے۔ لہذا تخیل میں ہم اپنے یادآوردہ تصورات کو اِس طرح ملاتے ہیں اور اِس نئے انداز سے شکل دیتے ہیں کہ اُن میں ندرت پیدا ہوجاتی ہے۔

> جب میں تسلیم یا یقین کرتا ہوں، حیرت کرتا ہوں۔ خواب دیکھتا ہوں، احساس کرتا ہوں، درد یا لذت محسوس کرتا ہوں تو جسم ان میں کوئی چیز نہیں کرتا بلکہ ذہن کرتا ہے۔ اسی لیے ذہن کو ہی میری اصل ذات کہا جاتا ہے۔ ذہن کو چھوا یا دیکھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کا تصور کرنا ممکن ہے۔ یہ جسم یا دماغ کے اندر نہیں ہوتا۔ یہ غیر مادی ہے اور مکانیت کا حامل نہیں۔

اِس کی وضاحت اِنسانی ذات میں جسمانی وذہنی کردار کے جائزہ سے لی جاتی ہے۔

حیوانی زندگی میں جسم اور ذہن کے وقوعات:

اِنسانی جسم کا مطالعہ پچھلے باب میں کیا جا چکا ہے، لہذا اب ہم ذہن کا نظریہ حیوانی زندگی میں جسم اور ذہن کے وقوعات میں متوازیت کے تحت سامنے لا رہے ہیں۔ ذہن خیالات، جذبات اور حسی تجربات کا مرکز ہے۔ ذہن کا ظہور اِس وقت تک نہیں ہوتا، جب تک نامیاتی مادہ زیادہ ارتقاء کرتے ہوئے اعضائے حسی، عصبیہ اور دماغ کا موجب نہیں بنتا۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ عالمِ تجربی میں تین منازل پائی جاتی ہیں۔

1۔ مادہ 2۔ زندگی اور 3۔ ذہن۔

مادہ اور زندگی کا مطالعہ ہم پچھلے باب میں کر چکے ہیں اور اب ہم ذہن اور اِس کے وقوعات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ہم

لفظ ''ذہن'' کو اسم کی طرح استعمال کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''کہ ہر اسم ذات کے متوافق'' ایک مادہ شے ہوتی ہے۔اس نظریہ کو ذہنی مادہ (شے) کا نظریہ کہا جاتا ہے۔نظریہِ ذہنی مادہ کے مطابق، انسان دو مختلف مادوں جسم اور ذہن سے متشکل ہے لیکن یہ ذہن ہے جو میری ذات سے قریب تر ہے۔میرا ایک جسم ہے جس کی حرکات میری پابند ہیں لیکن وہ ''میں'' جو انھیں پابند بناتا ہے وہ جسم نہیں، بلکہ ذہن ہے۔یہ سچ ہے کہ جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ''میرا ایک جسم ہے'' ہم کبھی کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ ''میرا ایک ذہن ہے''۔لیکن اس نظریہ کے مطابق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ''میں ایک ذہن ہوں'' جبکہ یہ کہنا کہ ''میں ایک جسم ہوں'' غلط ہوگا۔

یہ بھی سچ ہے کہ جب میں محض طبیعی خصوصیات کی بات کرتا ہوں تو میں خود کو جسم کے عین سمجھ سکتا ہوں، لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ ''میں سوچ رہا ہوں'' تو اشارہ ذہن کی جانب ہے نہ کہ جسم کی طرف کہ جو سوچ نہیں سکتا۔ اِس لئے کہ سوچنے کے لیے جسم (دماغ) کی ضرورت ہے جو فکر کرنے کے لیے شرط لازم ہے۔ہمیں معلوم ہے کہ جسم میں دماغ خود فکر نہیں کرتا۔اسی طرح جب میں تسلیم یا یقین کرتا ہوں ، حیرت کرتا ہوں۔خواب دیکھتا ہوں ،احساس کرتا ہوں، درد یا لذت محسوس کرتا ہوں تو جسم ان میں کوئی چیز نہیں کرتا بلکہ ذہن کرتا ہے۔اسی لیے ذہن کو ہی میری اصل ذات کہا جاتا ہے۔ذہن کو چھوا یا دیکھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کا تصور کرنا ممکن ہے۔یہ جسم یا دماغ کے اندر نہیں ہوتا۔یہ غیر مادی ہے اور مکانیت کا حامل نہیں۔

> ہمارا ایک دوسرے کا درد محسوس کرنا منطقی طور پر ناممکن ہے۔ مَیں اپنا درد محسوس کرتا ہوں اور آپ اپنا۔اگر درد کے تجربات دو ہیں تو درد بھی دو ہیں، جنہیں محسوس کیا جا سکے۔

ذہن کی زندگی میں پیش آنے والے وقوعات دماغ کی زندگی کے وقوعات سے کلی طور پر متعلق ہوتے ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذہن دماغ میں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے باہر۔وہ اپنی غیر مرئی حیثیت رکھتا ہے اور اِس کی پہچان اِس کے اعمال سے ہوتی ہے۔ہمارے شعور میں ذہنی اعمال کے تین پہلو ہوتے ہیں۔

1۔وقوف (Cognition) 2۔احساس (Affection)

3۔طلب (conation)

اِن سبھی کا ہم مُختصر تعارف کرانے پر اِکتفاء کر رہے ہیں، کیونکہ کتاب میں متعلقہ موضوع پر اُن کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

1۔وقوف:

جاننے اور سمجھنے کے ہر عمل کو وقوف کہا جا سکتا ہے۔اِس میں ہم کوئی عمل دیکھتے وقت محض سمجھتے ہی نہیں، بلکہ اِس کے

ساتھ متفق یا غیر متفق بھی ہوتے ہیں۔

2۔احساس:

کسی عمل یا شے سے پیدا شدہ خوشی یا ناخوشی، پسند یا ناپسند کو احساس کہتے ہیں۔

3۔طلب:

طلب ہمارے شعور میں کوشش، جہد اور اظہارِ ہمت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

وقوف، احساس اور طلب کو ایک دوسرے میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تینوں پہلو شعور میں اپنی حالت پر قائم اور نا قابلِ تحویل ہوتے ہیں۔ یہ فرض کر لینا بھی ایک غلطی ہے کہ یہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی پہلے ہم جانتے ہیں، پھر محسوس کرتے ہیں اور بعد میں طلب رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ذہنی تجربہ میں اُن کا ظہور ایک ساتھ اور بیک وقت تینوں حالتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

> جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ''میرا ایک جسم ہے'' ہم کبھی کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ ''میرا ایک ذہن ہے''۔لیکن اس نظریہ کے مطابق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ''میں ایک ذہن ہوں'' جبکہ یہ کہنا کہ ''میں ایک جسم ہوں'' غلط ہوگا۔

یہاں یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ طبعی وقوعات اور اعمال ہر شخص کے لئے قابلِ مشاہدہ ہیں، لیکن ذہنی وقوع کا مشاہدہ صرف اُسی ایک شخص کو ہو سکتا ہے، جو اِس کا تجربہ کر رہا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ منطقی طور پر ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے کے درد کو ایک ہی درد محسوس کر سکیں؟

جواب یہی ہوگا کہ ہمارا ایک دوسرے کا درد محسوس کرنا منطقی طور پر ناممکن ہے۔ مَیں اپنا درد محسوس کرتا ہوں اور آپ اپنا۔ اگر درد کے تجربات دو ہیں تو درد بھی دو ہیں، جنہیں محسوس کیا جا سکے۔

جس طرح جسم میں جسمانی وقوعات رونما ہوتے ہیں، اسی طرح ذہن میں ذہنی وقوعات رونما ہوتے ہیں۔ ہم لفظ ''ذہن'' کو اسم کی طرح استعمال کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''کہ ہر اسم ذات کے متوافق'' ایک مادہ شے ہوتی ہے۔ ذہن خیالات، جذبات اور حسی تجربات کا مرکز ہے۔ جسم اور ذہن کے وقوعات، جو ان میں رونما ہوتے ہیں۔ اس نظریہ کو ذہنی مادہ (شے) کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ نظریہ ذہنی مادہ کے مطابق، انسان دو مختلف مادوں جسم اور ذہن سے متشکل ہے لیکن یہ ذہن ہے جو میری ذات سے قریب تر ہے۔ میرا ایک جسم ہے جس کی حرکات میری پابند ہیں لیکن وہ ''میں'' جو انھیں پابند بناتا ہے وہ جسم نہیں، بلکہ ذہن ہے۔ یہ سچ ہے کہ جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ''میرا ایک جسم ہے'' ہم کبھی کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ ''میرا ایک ذہن ہے''۔ لیکن اس نظریہ کے مطابق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ''میں ایک ذہن ہوں'' جبکہ یہ کہنا کہ ''میں ایک جسم ہوں'' غلط ہوگا۔

یہ بھی سچ ہے کہ جب میں محض طبیعی خصوصیات کی بات کرتا ہوں تو میں خود کو جسم کے عین سمجھ سکتا ہوں، لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ ''میں سوچ رہا ہوں'' تو اشارہ ذہن کی جانب ہے نہ کہ جسم کی طرف کہ جو سوچ نہیں سکتا۔ اِس لئے کہ سوچنے کے لیے جسم (دماغ) کی ضرورت ہے جو فکر کرنے کے لیے شرط لازم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جسم میں دماغ خود فکر نہیں کرتا۔ اسی طرح جب میں تسلیم یا یقین کرتا ہوں، حیرت کرتا ہوں۔ خواب دیکھتا ہوں، احساس کرتا ہوں، درد یا لذت محسوس کرتا ہوں تو جسم ان میں کوئی چیز نہیں کرتا بلکہ ذہن کرتا ہے۔ اسی لیے ذہن کو ہی میری اصل ذات کہا جاتا ہے۔ ذہن کو چھوا یا دیکھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کا تصور کرنا ممکن ہے۔ یہ جسم یا دماغ کے اندر نہیں ہوتا۔ یہ غیر مادی ہے اور مکانیت کا حامل نہیں۔

ذہن کی زندگی میں پیش آنے والے وقوعات دماغ کی زندگی کے وقوعات سے علّی طور پر متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذہن دماغ میں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے باہر۔

ذہن اور جسم دو ایسے حقائق ہیں جو ایک دوسرے کو متاثر کئے بغیر اور ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر متوازی طور پر اپنا وجود رکھتے ہیں۔ جس طرح دو گھڑیاں ایک دوسرے سے آزاد صحیح وقت دیتی ہیں، اسی طرح ذہن و جسم دو حقائق ہیں اور اللہ نے ان کے درمیان ایسی نسبت رکھی ہے کہ ایک دوسرے سے متوازی عمل کرتے ہیں۔

اڈ، ایغو اور سپر ایغو شخصیت کی ساخت نہیں جن کا وجود ہمارے اندر کہیں نہ کہیں موجود ہے، اس کے برعکس یہ شخصیت کی تین مختلف طاقتیں ہیں اور تینوں کے باہمی تعلقات انسانی کردار کی تشکیل میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

اِنسانی ذہن شعور کا مرکز ہے۔ جیسا کہ ذہن کے تین پہلو ہیں، اِسی طرح ڈاکٹر Bucke نے شعور کو تین سطحوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ شعورِ سادہ، جو حیوانات میں پایا جاتا ہے۔

2۔ شعورِ ذات، جو عام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔

3۔ شعورِ کائنات، جو انسانوں میں برگزیدہ ہستیوں کو حاصل ہوتا ہے۔

مشہور مُفکر اوسپنسکی شعور کو چار سطحوں میں تقسیم کرتا ہے۔

1۔ ابتدائی شعور جو اُس کے نزدیک کیڑوں مکوڑوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اِنہیں وہ یک جہتی قرار دیتا ہے۔

2۔ شعورِ سادہ، جو اِس کے نزدیک عام حیوانات کو حاصل ہوتا ہے، جنہیں دو جہتی حیوان کہا جاتا ہے۔

شعورِ ذات، جو اِنسان کی خصوصیت ہے، جسے وہ تین جہتی ہستی کہہ کر پکارتا ہے۔

شعورِ اعلیٰ، جو موجودہ اِنسان سطح سے بلند اگلی ارتقائی منزل ہوگی۔ اُسے وہ چہار جہتی دنیا کا نام دیتا ہے۔

☆ فرائیڈ کا اِنسانی ذات کے شعور میں اُس کی مخفی قوتوں کی شمولیت:

نظریہ شعور کی فہم میں حکمائے مغرب کے ایک ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ نے انسان کے احساسی اور ذہن کے عقلی کردار کا ملاپ کر کے انسانی شخصیت کو پیش کیا ہے۔ جس کی تفصیل سے مختصر الفاظ میں آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اُس کا موقف ہے کہ انسان کے احساسی کردار کے مطالعہ میں لاشعوری ذہنی اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ذہنی عمل حافظے سے شعور میں واپس آتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ کچھ وقت کے لیے وہ ذہنی عمل ہمارے ''شعور'' میں نہیں تھا تاہم وہ تمام وقت ہمارے ''ذہن'' میں تھا۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ وہ ذہنی عمل مخفی یا لاشعوری تھا۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ لاشعوری خیالات، احساسات اور خواہشات کا وجود بطور ذہنی اعمال ممکن ہی نہیں کیونکہ ہر ذہنی عمل لازمی طور پر شعوری ہوتا ہے۔ کبھی یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ایک لاشعوری مخفی خیال کمزور ہونے کی وجہ سے مخفی ہوتا ہے اور جب وہ طاقت حاصل کر لیتا ہے تو شعوری بن جاتا ہے۔ لیکن اب یہ تسلیم کرنے کے لیے ہمارے پاس کافی جواز ہے کہ بعض مخفی خیالات خواہ وہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں شعور میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہ مخفی خیالات درجِ ذیل دو قسم کے ہوتے ہیں:

1۔ وہ خیالات جو طاقت ور ہونے پر شعور میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ان کو فرائیڈ تحت الشعوری کہتا ہے۔

2۔ وہ خیالات جو اپنی طاقت اور شدت کے باوجود شعوری نہیں بن سکتے۔ انھیں فرائیڈ لاشعوری کہتا ہے۔

فرائیڈ کے نظریہ کے مطابق انسانی شخصیت کی ساخت میں تین طرح کے عناصر (قوتیں) شامل ہیں

1۔ اڈ (Id)/ لاذات

2۔ ایغو (Ego)/ اَنا اور

3۔ سپر ایغو (Super Ego)/ فوق الا نا۔

یہاں ہم اِن تینوں قوتوں کا مُختصر سا تعارف کرا رہے ہیں۔

1۔ اڈ/ لاذات شخصیت بے پناہ حیوانی قوت پر مبنی لاشعوری تقاضوں پر مشتمل ہے۔ لاشعور اس لیے ہے کہ انسان عام طور پر ایسی خواہشات سے باخبر نہیں ہوتا۔ یہ اِنسانی ذات کے بیشتر حصے پہ حاوی ہے اور عام طور پر یہ لذّت والم کے قانون کے تابع ہے۔ لذت پرست ہونے کی بنا پر مطلب پرست بھی کہلاتی ہے۔ اِس کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ اپنے مطالبات فوری طور پر منوانا چاہتی ہے۔

2۔ ایغو۔ اَنا۔ انسانی ذات کی یہ حیوانی قوت اڈ کو حقیقت کا پابند رکھنے کے لیے ''ایغو'' یا ''انا'' کی نشوونما کرتی ہیں۔ اس کا بنیادی وظیفہ عقلی ہے اور وہ یہ ہے کہ اڈ کے مطالبات صرف معقولیت کی حد تک تسلیم کیے جائیں۔ ایغو، اڈ کو حد سے تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ اس کی سوچ کا انداز منطقی اور حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔

3۔ سُپر ایغو۔ اِس کا اڈ کی بے لگام خواہشات اور مطالبات سے نپٹنے کے لیے ظہور ہوتا ہے۔ یہ قوت دراصل انسانی ضمیر

کہلاتی ہے اور اس کے فرائض یہ ہیں:

1۔ اڈ کی خواہشات پر پابندی عائد کرنا بالخصوص ایسی خواہشات جن کی، علانیہ تکمیل کا معاشرہ اجازت نہیں دیتا۔

2۔ ایغو کو اخلاقی مقاصد ملحوظ رکھنے پر آمادہ کرنا۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ اڈ، ایغو اور سپر ایغو شخصیت کی ساخت نہیں جن کا وجود ہمارے اندر کہیں نہ کہیں موجود ہے، اس کے برعکس یہ شخصیت کی تین مختلف طاقتیں ہیں اور تینوں کے باہمی تعلقات انسانی کردار کی تشکیل میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

انا کو، جو شعوری اور مہذّب ہوتی ہے متصادم مطالبوں اور تقاضوں کے مابین ثالث کی حیثیت سے مصالحت کرانا ہوتی ہے۔ اسے ایک تو داخلی کے علاوہ خارجی حقیقت کو ملحوظِ نگاہ رکھتے ہوئے اِس سے تطابق پیدا کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے اِسے ذات کی بھی کچھ نہ کچھ تسکین مہیا کرتے ہوئے فوق الانا کو بھی مطمئن کرنا پڑتا ہے۔ لا ذات کے اُکسانے، فوق الانا کے دھمکانے اور خارجی حقیقت کے ڈرانے کی وجہ سے انا ہمیشہ شدید آزمائش میں رہتی ہے۔

فرائیڈ کے نظریے کا خلاصہ یوں ہے کہ ہمیں حیوانی قوت پر مشتمل لاشعوری ذہنی اعمال کے وجود کو بجا طور پر تسلیم کرنا ہو گا۔ لاشعور کی بے لگام خواہشات سے نپٹ کر اِسے حقیقت کا پابند کرنے کے لیے ایغو (انا) کی نشوونما کرنا ہوتی ہے۔ ہمارا ان تینوں قوتوں کو شخصیت کی ساخت خیال کرنا درست نہیں بلکہ یہ اس کے تین تصورات ہیں جو شخصیت کی حقیقت سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ کردار کی تشکیل میں ان تینوں قوتوں کے باہمی تعلقات میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک قوت کے طاقتور یا ضعیف ہونے سے خاص قسم کی شخصیت ظہور میں آتی ہے۔ اِن میں تصادم اگر خطرناک صورت اختیار کر جائے تو ایغو مدافعتی میکانیاتی شکلوں میں سے انتخاب کر کے مداوا کیا جاتا ہے اور شخصیت مزید تصادم سے بچ جاتی ہے۔

سگمنڈ فرائیڈ نے انسان کے احساسی اور عقلی کردار کا ملاپ کر کے انسانی شخصیت کو پیش کیا ہے۔ اُس کا مؤقف ہے کہ انسان کے احساسی کردار کے مطالعہ میں لاشعوری ذہنی اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ذہنی عمل حافظے سے شعور میں واپس آتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ کچھ وقت کے لیے وہ ذہنی عمل ہمارے ''شعور'' میں نہیں تھا تاہم وہ تمام وقت ہمارے ''ذہن'' میں تھا۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ وہ ذہنی عمل مخفی یا لاشعوری تھا۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ لاشعوری خیالات، احساسات اور خواہشات کا وجود بطور ذہنی اعمال ممکن ہی نہیں کیونکہ ہر ذہنی عمل لازمی طور پر شعوری ہوتا ہے۔

انسانی ذات محض حافظہ کا نام نہیں، بلکہ یہ آزاد ارادی اعمال کی شکل کے اخلاقی نظریہ میں حیات بعد الممات میں بھی زندہ جوابدہی کے لئے دستیاب رہتی ہے۔

☆ انسانی ذات کی ارتقاء میں جدید صورت اختیار کرنے کا مؤقف

انسانی ذات کی ماہیت کیا ہے یہ نہ بتایا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کوئی مادی شے نہیں۔ ذات کا

مظہر، اس کا اختیار وارادہ ہے، جس کی رو سے یہ بہت سے امکانات میں سے، کسی ایک کا انتخاب کرنے کی صلاحیّت رکھتا ہے۔ آزادیِ اِرادہ سے وجود پذیر انسانی ذات کا کردار کے عنوان کے اِس باب میں اِنسانی ذات/نفس کو موضوعِ مباحث بنایا جا رہا ہے۔ عصرِ حاضر کی دریافت میں اِنسانی ذات کے متعلق ایک یقینی مؤقف کو جاننے کے لئے اسکا مفہوم جاننا ضروری ہے۔ ذات کا لغوی ترجمہ شخصیت، فردیت، کردار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک خودشعوری یا عقلیت پسند ہستی کی حیثیت سے وجود میں ہونے کی خصوصیات کا مجموعہ ہے۔ ذات کا اظہار گرائمر کی رو سے ضمیر متکلم ''مَیں'' کے طور پر کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ لفظ انسانی شخصیت کے ظاہری اور باطنی پہلو کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ ذات/نفس کا فلسفہ میں مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ:

1۔ معروض کے مقابلے میں موضوع۔

2۔ انا، عینی اور کسی چیز کا مجرد تشخص۔

3۔ ایک عمل جو اپنے طور پر عمل کرے۔

4۔ وہ جو تغیرات میں غیر متبدل رہے۔

ذات، انا، ایغو کے مفہوم میں ذہن کے وسیع المعانی شعور، آگاہی، انسان کی عقلی فکر اور تفکر کی صلاحیت بھی شامل ہوتی ہے، خصوصی طور پر وہ جو شعوری تغیرات میں غیر متبدل رہے۔ اِس کے علاوہ وہ ہستی جو احساس، تاثر، ادراک، تفکر، تخیل، یاد، عزم وارادہ کے وظائف انجام دے۔

قرآن نے انسانی ذات کو ''نفس'' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ نہ کوئی طبیعی چیز ہے، نہ اس کائنات کی شے ہے، اور نہ ہی طبیعی قوانین اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ نفس فیصلہ کرتا ہے، ارادہ کرتا ہے، انسان کے طبیعی جسم کو عمل کے لئے آمادہ کرتا ہے، اس لئے نفس اپنے فیصلے کا خود ذمّہ دار ہوتا ہے۔ نفس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ بہرحال ہم اسے ''میں'' کہتے ہیں، اقبالؒ اسے خودی کہتا ہے، انگریزی میں اسے پرسینیلٹی کہتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ یہ کام ''میں'' نے کیا تو میں سے مراد نہ تو ہمارا جسم ہوتا ہے، اور نہ جسم کا کوئی عضو۔ اگر چوری آپ کے ہاتھ نے کی ہے، تو آپ یہ نہیں کہیں گے کہ چوری میں نے نہیں کی، میرے ہاتھ نے کی ہے۔ یہ ''میں''، جسم تو نہیں ہے لیکن یہ جسم سے جدا بھی نہیں ہے۔

جب جسم سے ''مَیں'' نکل جاتی ہے، تو صرف طبیعی جسم باقی رہ جاتا ہے۔ قرآن جسم کی بجائے ''مَیں'' یعنی ذات ہی کو اعمال کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے، کیونکہ یہ جسم کے مرنے سے مرتی نہیں ہے، بلکہ وہاں چلی جاتی ہے جہاں اس کے لئے خدا نے جگہ مقرر کر رکھی ہے۔ اس کو اخروی زندگی کہتے ہیں۔ اس مقرر کردہ جگہ میں نشوونما یافتہ ذاتیں اگلی مگر بہتر منازل کی طرف ارتقاء کا سفر طے کرتی ہیں اور غیر نشوونما یافتہ ذاتوں میں آگے بڑھنے کی صلاحیّتیں نہ ہونے کی وجہ سے زندگی کا مزید سفر رک جاتا ہے، اس لئے وہ ان کا جحیم ہوتا ہے۔

تسوید و تصحیح
محمد ارشد، سلیم اختر

پرویزؒ کا پیغام بچوں کے نام

پرویزؒ صاحب نے کچھ دروس ننھے بچوں کے لئے بھی اپنی آواز میں ریکارڈ کرائے تھے۔ اس سلسلہ کے چوتھے درس کی ٹرانسکرپشن مناسب ایڈیٹنگ کے بعد پیشِ خدمت ہے۔ اُمید ہے پسند آئے گی۔ (ادارہ)

السلام علیکم

آؤ آؤ بچو! آجاؤ آجاؤ تم یہاں بیٹھو تم وہاں بیٹھو تم ذرا میرے قریب آجاؤ تم بھی آگئے بہت اچھا اور آپ یہاں تشریف رکھیں گے آیئے آیئے ہمارے قریب آیئے۔

لو بھئی سنو بچو! آج تمہیں ہم کچھ ایسی باتیں بتائیں گے جو تمہاری روزمرہ کی زندگی میں ہر وقت تمہارے کام آئیں گی۔

ایسی بات کرو جس کا مطلب صاف ہو، بات بالکل واضح ہو اور ایسی بات نہ ہو کہ آج اس کا کچھ مطلب نکال لیا اور دوسری جگہ کچھ اور مطلب نکال لیا بالکل نہیں قرآن شریف میں ہے کہ

ہمیشہ شائستہ اور مہذب گفتگو کرو۔ تمہاری زبان میں بیہودہ الفاظ نہیں آنے چاہئیں اور گالی تو کبھی نہیں آنی چاہئے کبھی نہیں آنی چاہئے۔

مسلمان بچے کبھی گالی نہیں دیتے ہیں بلکہ ان کی زبان سے بیہودہ بات بھی نہیں آنی چاہئے ایسی باتیں کرنی چاہئیں جو بڑی اچھی ہوں۔ ایک جگہ قرآن شریف میں کہا ہے قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (4:5) ایسی بولی بولو جو شریفوں کی جانی پہچانی بولی ہوتی ہے ہر کوئی سمجھے کہ شریف بچہ ہے یاد رکھو مسلمان کے لئے تو شریف ہونا بڑا ہی ضروری ہے۔

لو ہم تمہیں ایک بات بتا دیتے ہیں کہ جو شریف نہیں ہے مسلمان نہیں ہے۔ پکا مسلمان وہ ہے جو شریف ہوتا ہے تو اسے شریف کی بولی بولنی چاہئے۔ ایسی باتیں کرنی چاہئیں جو بڑی اچھی ہوں قرآن شریف میں ہے:

يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (17:53) خوبصورت انداز میں بات کرو بڑی ہی اچھی بات ہو جو وہ کرو۔ سوچ سمجھ کر یا تول کر قائدے اور قانون کے مطابق بحث، شائستہ اور صاف واضح الفاظ اور اس کے ساتھ یاد رکھو جھوٹ کے تو کبھی قریب بھی نہ جاؤ۔

جھوٹی بات! مسلمان بچہ کبھی اس قسم کی باتیں نہیں کرسکتا۔ قرآن شریف میں ہے۔ یاد رکھو مکر و فریب کی بنائی ہوئی جھوٹی بات نہ کرو کوئی بناوٹی بات نہ کرو۔

اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر نہ کرو، جھوٹ نہ بولو مکرو

فریب کی کوئی بات نہ کرو۔ یادرکھو اب سنو ایک اور بات باہر گراؤنڈ میں دو بچوں کی آپس میں لڑائی ہوئی اس میں سے کسی ایک نے زیادتی کی دوسرے نے خواہ مخواہ کے لئے پوچھ لیا، گالیاں دے دیں بڑے بچے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تم وہاں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ اب وہ معاملہ تمہارے ماسٹر صاحب کے پاس پیش ہوا یا یوں کہو کہ تمہارے چھوٹے بھائی بہنوں میں یہ معاملہ ہوا اور یہ آپ کے ابا جی کے سامنے پیش ہوا۔ تمہیں تو پتا تھا کہ کس نے کیا بات کہی تھی۔ ابا جی نے تم سے پوچھا کہ بتاؤ۔ اس وقت تمہیں کیا بات کرنی چاہئے؟ سچی سچی بات کہنی چاہئے ہاں بالکل سچی سچی۔ کوئی جھوٹی بات نہ کہے۔ اس طرح سے سچی سچی بات کہنے سے عدل کرنا چاہئے، انصاف کرنا چاہئے۔ بچو انصاف کی بات کرو۔ قرآن شریف میں ہے وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (6:153) جب بھی بات کریں عدل اور انصاف کی بات کریں اور اس طرح سے کھلے کھلے انداز سے بات کرو۔ صاف صاف بات کرو کہ جھوٹ اور سچ کو ملاؤ نہیں۔ وہاں بالکل نکھرا ہوا سچ الگ ہو۔ دیکھو قرآن شریف اس بارے کیا کہتا ہے:

لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ (2:42)

نہ تم سچی بات کو چھپاؤ اور نہ اس کی کوشش کرو کہ سچ اور جھوٹ کو کسی طرح ملا کر بیان کریں۔ نہ بھئی بالکل نہیں۔

سچی سچی بات۔ جھوٹ اور سچ کو بالکل نہ ملاؤ۔ صحیح کو چھپاؤ بھی نہیں، تمہارا دوست بھی ہے اسے کہہ دو کہ نہیں بھائی میں تو سچی بات کروں گا تمہارے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔

سمجھ لیا تم نے؟ سچی بات، مہذب بات، شائستہ گفتگو، صاف صاف الگ الگ الفاظ جس میں دوسرا تمہارے مطلب کو بالکل آسانی سے سمجھ لے۔ گومگو کی بات نہیں، مکر وفریب کی بات نہیں، جھوٹ کی بات نہیں، عدل وانصاف کی بات! حق کو کبھی نہ چھپاؤ۔

سچ کو جھوٹ کے ساتھ کبھی نہ ملاؤ اور پھر قرآن شریف یہ بھی کہتا ہے کہ جب باتیں کرو تو ڑتوڑ کر باتیں نہ کرو۔ اپنی آواز کو نیچی رکھو۔ اتنی نیچی بھی نہیں کہ کوئی سن ہی نہ سکے اور سب کہنے لگیں کہ ذرا اونچا تو بولو۔

نہ اتنا نیچی کہ کوئی سن نہ سکے نہ اتنی اونچی آواز کہ چیخ چیخ کر بولنے لگو۔ تمہیں پتا ہے چیخ چیخ کر کون بولا کرتا ہے تو سنو بچو قرآن شریف اس باب میں کیا کہتا ہے۔

جب قرآن شریف نے بتایا تو تم کہو گے آہا ٹھیک ٹھیک ہم بھی یہی کہنے والے تھے۔ قرآن شریف میں آیا ہے

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ (31:19)

اپنی آواز کو نیچا رکھو یادرکھو سب سے بدترین آواز، سب سے بُری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔ پتا ہے گدھا کیسے چیختا ہے تو بہ تو بہ ایسی مکروہ آواز ہوتی ہے گدھے کے چیخنے کی یہ تو قرآن شریف کہتا ہے ایسے باتیں نہ کرو تم چیخ چیخ کر کہ گدھے کی آواز سنائی دے۔ دیکھو بھائی آدمی کو گدھا کبھی نہیں کہنا چاہئے۔ نہیں کہنا چاہئے نا تو پھر آواز اپنی نیچی رکھو چیخ کر مت بولو اور سنو نامکمل باتیں نہ کرو۔ بے معنی باتیں نہ کرو خواہ مخواہ کے لئے وقت ضائع کر رہے ہو بے معنی باتیں کئے چلے جا رہے ہو بالکل نہیں! بے معنی باتوں کو عربی زبان میں کہتے ہیں لغو۔ سنا نہ یہ لفظ وہ بڑی لغو کی باتیں کر گیا بڑی بیہودہ سی بات کی ہے۔ لغویت کے معنی یہی نہیں کہ بیہودہ باتیں اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ بے معنی باتیں نہ کرو۔ قرآن شریف میں ہے سچے مسلمان بچوں کی مومنوں کی

تعریف وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (23:3) وہ لغو باتوں کی ہمیشہ تردید کرتے ہیں۔ اگر کسی جگہ بیہودہ باتیں ہورہی ہوں تم سکول سے آرہے ہو راستے میں اس قسم کا مجمع ہے یہاں بڑی بیہودہ باتیں ہورہی ہیں کیا کرو وہاں سے شریفانہ انداز سے چپکے سے ایک طرف سے بچ کر نکل جاؤ۔ بالکل یہی بات ہے جو قرآن شریف نے کی ہے۔ قرآن شریف کی بات تو ہم کہہ رہے ہیں بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ط (2:225) سچے مسلمانوں کی مومنوں کی صفت یہ ہے کہ اگر کبھی انہیں کسی ایسی جگہ سے گزرنا پڑ جائے جہاں بیہودہ باتیں ہورہی ہوں تو یہ وہاں سے نہایت شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں اور بے حیائی کی باتوں کے تو قریب بھی نہیں جاسکتا مسلمان، خواہ وہ کھلی بے حیائی کی باتیں ہو یا اندر ہی اندر چپکے چپکے سے ہوتی ہوں۔

قرآن شریف کہتا ہے

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا (17:32) ترجمہ اس کا یہ ہے کہ بے حیائی کی باتوں کے تو قریب تک نہ جاؤ خواہ وہ بے حیائی کھلی کھلی ہو یا چھپی ہوئی۔

بالکل بے حیائی کی باتوں کے پاس نہ جانا اور کوئی بے حیائی کی بات نہ کرنا اگر کسی بے حیائی کی بات کا پتا بھی چل جائے تو اسے پھیلانا نہیں، آگے مت بات کرو یہیں ختم کردو۔ بعض ایسے لڑکے تم نے دیکھے ہوں گے کہ اس قسم کی بے حیائی کی باتیں عام طور پر کرتے رہتے ہیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ وہ سچے مومن نہیں ہوتے۔ سچے مسلمان کی تعریف یہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ (24:19) قرآن شریف کہتا ہے کہ مومن تو کبھی بے حیائی کی باتیں آگے نہیں پھیلاتا۔

جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کی باتیں پھیلانا پسند کرتے ہیں یاد رکھو انہیں اس دنیا میں بڑی سخت سزا ملے گی اور مرنے کے بعد بھی بڑی سزا ملے گی اس لئے کہ یہ اس قسم کی گندی گندی کہانیاں اور غلط قسم کے ناول بڑی بڑی سینما کی تصویریں، بُری بُری باتیں پھیلاتے ہیں۔ مسلمان بچے نہ بے حیائی کرتے ہیں نہ ان کو اپنے ہاں پھیلاتے ہیں۔

دوسری چیز بھی یاد رکھو اب دیکھو تم نے دیکھا بعض بچے مٹک مٹک کر چلتے کھٹ کھٹ کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ قرآن شریف کہتا ہے یہ بات اچھی نہیں۔ (21:18) خواہ مخواہ تکبر کے طور پر اور اکڑ اکڑ کر مت چلو۔ تو کیسے چلو؟ بعض مُردوں کی طرح بیماروں کی طرح سمٹے ہوئے مریل کی طرح چلے جارہے ہیں بالکل نہیں یہ بات بھی نہیں۔ نہ اکڑ کر چلو نہ مردوں کی طرح نہ ہی بوڑھوں کی طرح دُہرے ہوکر چلو۔

اپنی چال میں میانہ روی استعمال کرو۔ اکڑنا بھی نہیں بوڑھوں کی طرح، مریل کی طرح بھی نہیں چلنا۔ شریفوں کی طرح نہایت عمدگی سے آرام کے ساتھ پورے پورے ناپے ہوئے قدم اٹھاؤ۔ سیدھے کمان کی طرح چلو اکڑ بھی نہ ہو مریل پن بھی نہ ہو۔ دیکھا قرآن شریف چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی کتنی تاکید کرتا ہے۔ کیسی اچھی اچھی باتیں بتاتا ہے۔ ہاں جب چلو تو خواہ مخواہ اِدھر اُدھر نگاہوں کو نہ گھماؤ۔ شریفوں کی طرح نگاہیں نیچے کئے ہوئے چلتے چلے جاؤ۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ سامنے یہ راستہ ہی نہ دیکھو موٹر، سائیکل آجائے، گاڑی آجائے تمہاری ٹکر ہی نہ ہوجائے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کو گھور کر آنکھیں پھاڑ

پھاڑ کر دیکھتے ہوئے نہ چلو کہ لوگ کہیں کہ اسے چلنا بھی نہیں آتا اسے دیکھنا بھی نہیں آتا۔ اس لئے قرآن شریف میں ہے کہ چلتے وقت اپنی آنکھوں کو اس طرح سے رکھیں کہ ایسا نہ نظر آئے کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۝۳۰ (24:33)

اے رسول ان کو کہہ دو کہ چلتے وقت اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھیں۔ شریفوں کی طرح چلا کریں۔ سمجھ گئے اب ایک ایسی بات لیکن بڑی ضروری بات تم کبھی کسی کے ہاں گئے ان کے کمرے میں چلے گئے وہاں کوئی دوسرا شخص نہیں وہاں، ایک میٹھائی کی ٹوکری پڑی ہے۔ تمہارا جی چاہ رہا ہے کہ چوری سے کھالیں تو کیا تم ایسے کرو گے؟ جو بچے ایسا کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں یہاں کون دیکھنے والا ہے۔ اگر کوئی دیکھنے والا ہو تو پھر وہ ایسی بات نہیں کریں گے۔ تو بچے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی نہیں دیکھتا تو پھر ٹھیک ہے۔ بڑی بُری بات ہے۔ یاد رکھو جب کوئی نہیں دیکھتا اس وقت بھی ایک دیکھنے والا ہوتا ہے۔ وہ کون ہوتا ہے بھلا؟ اللہ یہاں دیکھتا ہے۔ اس وقت یاد رکھو اللہ ہر ایک چیز دیکھتا ہے۔ یہ تم نے کیسے کہا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے۔ کسی نے نہیں دیکھا۔ ایک اور بات کہ جس کمرے میں تم بیٹھے ہوئے ہو وہاں بڑا اچھا پین (قلم) رکھا ہوا ہے۔ تمہارا جی للچا رہا ہے کہ اس کو چرالوں۔ تم کہتے ہو کہ مجھے موقع مل جائے کسی طرح سے تو میں چھپ کے اس کو جیب میں ڈال لوں پتا بھی نہ چلے۔ تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے اور وہ تمہارا دوست اندر گیا ہی نہیں اور تم اُٹھ کر چلے آئے۔ دل میں یہ کہتے ہوئے کہ اچھا ہوتا جو اندر چلا جاتا۔ بڑا اچھا سا پین آجاتا، بڑا عمدہ قلم آجاتا۔ تم نے قلم چرایا نہیں لیکن تمہارے دل میں چوری کرنے کا ارادہ تو پیدا ہو گیا تھا نہ یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ تم کہو گے کہ اسے کون دیکھتا ہے میں نے تو ارادہ کیا تھا۔ میں نے کسی سے بات نہیں کی، میں نے کسی کو بتایا ہی نہیں کہ وہاں بیٹھے ہوئے میں کیا سوچ رہا تھا۔ تم بتاؤ یا نہ بتاؤ ایک ہی بات ہے کہ اللہ دل میں گزرنے والے ارادوں اور خیالات سے بھی واقف ہے یاد رکھو، سنو اس نے کیا کہا ہے اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۝۷۸ (9:78)۔

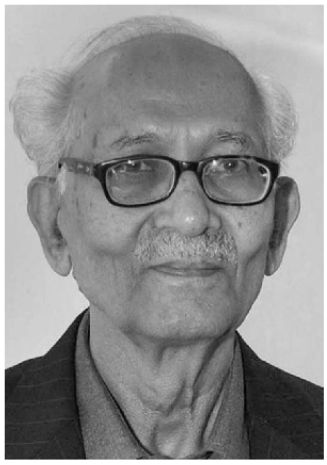
اللہ تعالیٰ نگاہ کی خیانتوں کو بھی جانتا ہے اور دل کے ارادوں تک سے واقف ہے۔ بالکل اچھا یہ ہے بُری نگاہ سے تم نے کوئی چیز دیکھی یا دل میں تمہارے کوئی خیال ایسا آ گیا۔ بُری بات اگر تم نے وہ بات کی نہیں کوئی جانتا بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتے ہیں یاد رکھو کبھی دل میں بھی کوئی بُرا خیال نہ لانا۔ سن لیا تم نے بچو! یہ تمہارے آج کے سبق کی بات ہے اچھی طرح سے اس کو یاد کرو جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ دوبارہ پوچھو اور یہی نہیں کہ اسے یاد کرو اس کے مطابق آپ کام بھی کرو۔ ہاں ہم نے بتایا تھا نا شروع میں صرف کسی بات کا مان لینا ہی کافی نہیں ہے۔ اس کے مطابق کام کرنا بھی ضروری ہے۔ اچھا نتیجہ تو کام کرنے سے نکلتا ہے۔ لو بچو آج تمہارا سبق ختم ہوا کہو ایک دوسرے کو السلام علیکم! جاؤ بچو خدا حافظ

کل پھر اس وقت آجانا تاکہ تمہارا سبق اچھی طرح سے پورا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر منظور الحق وفات پا گئے

آہ فکر قرآنی سے وابستہ ایک اور روشن چراغ جس سے ہر طرف قرآنی شعائیں مسلسل پھیلتی رہتی تھیں وہ بھی نہ رہا۔ (یعنی محترم ومکرم ڈاکٹر منظور الحق صاحب) جنہوں نے اپنی ساری زندگی کو قرآن کریم کی خدمت اور ابلاغ کے لئے وقف کیا ہوا تھا اور ساتھ ساتھ پاکستانی نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کو قرآنی اقدار کے مطابق ڈھالنے کیلئے مصروف جدوجہد رہے۔ یکم اکتوبر 2021 کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ علامہ پرویز علیہ الرحمۃ کے دروس القرآن کو کتابی شکل دینے اور لٹریچر میں سے بعض مقالات ومضامین کا انگریزی ترجمہ کرنے کی جو گرانقدر خدمات ڈاکٹر صاحب نے انجام دی ہیں وہ رہتی دنیا تک حلقہ قرآنی میں یاد رکھی جائیں گی۔ ڈاکٹر صاحب سے بالمشافہ ملاقات کا موقع نہ مل سکا جو کہ حسرت رہے گی۔ لیکن فون پر رابطہ رہا۔ جب میں نے بتایا کہ میں بابا جی کے تجویز کردہ بعض امور پر مشاورت کرنے کا خواہاں ہوں۔ تو وہ انتہائی خوش ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے مجھے پھر سے زندہ کیا اور ساتھ ہی کئی مفید اور ماہرانہ مشوروں سے بھی نوازا۔



قرآن کریم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت قرآن کریم سے استفادہ کرنے اور ابلاغ قرآنی کا فریضہ ادا کرنے میں مصروف رہتے تھے اور سوشل میڈیا پر پوسٹیں شیئر کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ زوم پر طلوع اسلام سیمینار میں باوجود ضعیف العمری اور کمزوری وبیماری کے گھنٹوں شامل رہتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنے نعماء حقیقی سے نوازیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عنایت فرمائیں۔ امین یارب العالمین۔ ادارہ طلوع اسلام اور بزم ہائے طلوع اسلام کے نمائندگان و اراکین سوگواروں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

غمگسار

خورشید انور

(چیئرمین ادارہ طلوع اسلام)

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ۚ (44:56) ڈاکٹر منظور الحق کا اِس دنیا سے اِنتقال اور اُس دنیا میں اِدخال تغیّر کا ایک عملِ پیہم ہے۔ جانے والے کیلئے ایک لمحے کا عمل جسکا شاید اسے بھی احساس نہ ہو مگر اہلِ خانہ، عزیز و اقارب اور یار و احور کے لئے ایک ایسے مشفق، نرم دل، گرم جوش استاد اور عاشقِ قرآن کا ساتھ چھوڑ کر چلے جانا جذبات کو بہت دیر تک مشتعل کر دیتا ہے۔ ایک جذباتی خلاء چھوڑ جاتا ہے انسان! مگر اس کا کیا علاج کہ: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ (3:185)۔ مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ نفس تو صرف موت کا ذائقہ چکھتا ہے اسے موت نہیں ہے۔ قرآن اور اقبال کا پیغام تو ہمارے لئے حیات بخش ہے: عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام۔ ڈاکٹر صاحب نے تو وہ نسخۂ حیات جو کہ 41 جلدوں پر مشتمل ہے (مطالب القرآن فی دروس الفرقان از پرویز علیہ الرحمہ اس کی بہت عمدگی سے ترتیب و ترمیم کر کے ہمارے سب کے لئے زندگی بخش بنا دیا ہے۔ اور جس کا درس بھی وہ ہمیں ایک سچے استاد کی حیثیت سے دیا کرتے تھے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ۔

بقا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ قضا تھی، شکارِ قضا ہو گئی وہ

ہماری سب کی یہ دعا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی اگلی زندگی کی ارتقائی منازل قرآن کے نسخہ کے مطابق درجہ بدرجہ طے کرتے چلے جائیں۔ آمین

خدا کا اٹل قانون ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ (93:7) کہ جو انسان بھی حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہو گا خدا اسی کو ہدایت دے گا۔ ڈاکٹر صاحب ساری زندگی حقیقت کے متلاشی رہے۔ خدا ایسے انسانوں کے بارے میں قرآن میں کہتے ہیں کہ: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ (84:19) یقیناً ایسے لوگوں کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے کیونکہ جو اس دنیا میں حقیقت کی تلاش کرتے ہیں وہ اگلی دنیا میں بھی حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے عزیز و اقارب کو حوصلہ اور متوازن راہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (2:201)۔ آمین۔

(ڈاکٹر حامد اے میاں، وائس چیئرمین ادارہ طلوعِ اسلام)

نہائیت دل گرفتگی کے ساتھ یہ افسوس ناک خبر آپ کے ساتھ شیئر کی جاتی ہے کہ محترم جناب ڈاکٹر منظور الحق صاحب یکم اکتوبر 2021ء کو رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ طلوع اسلام کے لئے ان کی گراں قدر خدمات تا دیر یاد رکھی جائیں گی۔ تحریک طلوع اسلام کے حلقہ احباب علمی سطح پر ایک نہایت قد آور شخصیت سے محروم ہو گئے۔ پیرانہ سالی اور مستقل گرتی صحت کے ساتھ انہوں نے پرویز صاحب کے دروس کو تحریری شکل میں ڈھالا اور محفوظ کیا، جو بذات خود ایک عظیم کارنامہ ہے۔ قرآنی موضوعات پر ان کی گرفت بہت زبردست اور عالمانہ انداز کی ہوا کرتی تھی۔ سندھ کی یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمات کے علاوہ ہمارے درمیان بھی وہ ایک بلند پایہ استاد کی

حیثیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔

(محمد اقبال، نمائندہ بزم طلوعِ اسلام، کراچی ڈیفنس)

ڈاکٹر منظور الحق صاحب کی رحلت کی افسوس ناک خبر سن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین. بزم ٹورانٹو کے تمام اراکین اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

(رفعت خان نمائندہ بزم ٹورانٹو۔ کینیڈا)

ڈاکٹر منظور الحق صاحب کی وفات کا سن کر بے حد افسوس ہوا ہے۔ مرحوم نے اپنی صلاحیتوں کو ادارہ طلوع اسلام کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ دروس القرآن ان کے اعمال کے میزان میں بہت وزنی ہے۔ امید ہے وہ اپنی اگلی زندگی ابرار کے ہمراہ ہوں گے۔ (آصف جلیل، نمائندہ بزم طلوعِ اسلام، ملیر کراچی)

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کا سن کر دلی صدمہ ہوا، ان کی خدمات تادیر یاد رکھی جائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ (امجد محمود راولپنڈی بزم)

Thus let me live, unseen, unknown;

Thus unlamented let me die;

ہم نے کئی مرتبہ اپنے کئی سوالوں کے جواب میں یہ دو مصرعے سنے ابو جی کی زبانی۔ مگر کبھی سمجھ نہ سکے اور اب جب سمجھ آئی تو نگاہیں اٹھائے اللہ کی قدرت کو دیکھتے ہیں، خاموش نظروں سے ۔۔۔ زندگی کی تلخیاں، درد اور امتحان دیتے دیتے میرے ابو جی آخر کار زندگی کے آخری امتحان میں اللہ کو شدت درد میں پکار بیٹھے، اور وہاں سے جواب میں مدد جلد آنے کی امید میں 13 ستمبر 2021ء سے ان کی راتیں شدت بے قراری سے صبح چار کا انتظار کرتیں، اور ہم ان کے ساتھ جاگتے رہتے تھے۔ اس عرصہ میں روز ان کی ایک ہی بات ہوتی اب جانے دو مجھے، اللہ کے سپرد کیا آپ کو۔ ایک شعر جو انہوں نے سوالیہ انداز میں 18 ستمبر 2021ء میں مجھ سے کیا، جو بہت تڑپاتا ہے مجھے ۔

شبِ ہجراں کے جاگنے والو کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

آئی سی یو میں ان کی تلاوت قرآن کی آوازیں سارا دن سنائی دیتی تھیں۔ چھوٹے بھائی عاکف کو کہتے ملائکہ کی قوتیں ہیں جو vibes کی صورت میں ہوتی ہیں، آیات کی تلاوت کرتے اور کہتے ٹھیک پانچ (5) minutes بعد چیک کرنا سب بہتر ہو جائے گا اور مانیٹرنگ مشین حقیقت میں under control دکھاتا تھا۔ 26 ستمبر 2021ء کو بولے ''بس بیٹا چار دن

اور۔'' روزانہ 29 تاریخ کا ہم سب سے پوچھنا، میں نے جواباً پوچھ ہی لیا، ابو جی کیا ہے اس دن؟ کوئی خاص کام ہے؟ چار الفاظ میں جواب دیا، Tomorrow will tell you اور آخر کار 29 تاریخ کو سورہ نور ہمیں پڑھنے کا کہا اور بے قراری سے بولے یہ تین کام ہم سب نے ضرور کرنے ہیں، ساتھ ہی بولے،'' اے اللہ میں اور میرے بچے ان تین احکامات پر ہمیشہ عمل کریں گے۔'' میں نے بحیثیت بیٹی، تڑپتی ہوئی روح کے ساتھ التجا کی ابو جی ہم اللہ سے دعا کریں گے، اس دفعہ بھی جلد مدد آئے گی اللہ سے۔۔۔ جواباً پھر اللہ سے مخاطب ہو کر بولے۔۔۔'' اے اللہ تعالیٰ میں اور میرے بچے مسلمان پیدا ہوئے، ہم تیرے سچے مسلمان ہیں، اے اللہ ہمیں اپنا سچا مومن (مسلمان) ہی اٹھانا''۔ اور پھر ابو جی نے ہمیں دوبارہ سورہ نور کا نام لے کر پڑھنے کا کہا خود ایک اور درد کی رات اپنے پیارے بیٹے آصف کے انتظار میں کاٹی اور پھر اگلے دن وہ اس کو دیکھ کے بہتر محسوس ہوئے۔ ہم سب کے دل میں اُمید جاگ گئی۔ مگر ان کے چار دن 30 ستمبر 2021ء کی رات کو مکمل ہو گئے اور طبیعت بگڑنا شروع ہو گئی، ابو جی نے اپنی لاڈلی بیٹی آرزو کے سامنے سورہ نور کی 35 ویں آیت کی تلاوت کی اور پھر بولے!'' اللہ نور ہے اور ہم سب کو نور میں سما جانا ہے!'' اس کے ساتھ ہی ابو جی کے انتظار کی گھڑیاں سمٹنے لگ گئیں اور بیہوشی طاری ہونے لگ گئی، ساری رات کے لمبے انتظار کے بعد صبح وقت فجر ٹھیک 4 بجے آرزو اور عاکف کے ہاتھوں میں سے نکل کر اللہ کی مدد کے بلاوے پر چل دیئے، میں اور آصف بھائی نماز فجر پڑھ کے ہسپتال بھاگے پر ہمارے حصے میں مشین (Ventilator) کی مدد سے چلتی سانسیں اور PPM سے چلتا دل رہ گیا۔ انکا حکم تھا پریشان نہ ہونا بیٹری چارج ہے میرے PPM کی، اور پھر نماز جمعہ کے وقت پر جا کر اپنے چاروں بچوں کی موجودگی میں سورہ نور کی با آواز بلند تلاوت اپنی پیاری بیٹی آرزو کی زبانی سنی، اور آخر کار آخری آیت پر دل کی دھڑکن تھم گئی، اسی وقت مسجد میں نماز جمعہ کا سلام سنائی دیا۔ ہمارے ابو جی، مفکر قرآن، ماہر تعلیم اور ایک بہترین استاد، 1 اکتوبر 2021ء کو ہمیں اللہ کے حوالے کر کے خود اللہ کا دیا گیا اپنے حصہ کا کام مکمل کر کے، اس نور اللہ کی سمت چل دیئے۔

(دعاء کی متمنی بیٹی، صائمہ منظور دختر ڈاکٹر منظور الحق)

Dr. Sahib will live, unseen,unknown in our hearts forever;
Thus we will never let him die in our hearts forever.

آپ نے ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری چند شب و روز کے جو لمحات ہمارے ساتھ شیئر کئے ہیں کاش ہم میں سے بھی کوئی ان کی خدمت کیلئے وہاں موجود ہوتا اور انکے احسانات کے شکرانے کے طور پر کچھ گھڑیاں انکی دلجوئی اور اپنے احسان مندوں کی قربت سے ہم کچھ تقویت پاتے مگر ہماری کوتاہی کہ ہم ایسا کر نہ پائے! اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کی مغفرت فرمائیں جنت الفردوس میں داخل فرمائیں اور اعلیٰ درجات عطا فرمائیں اور آپ سب کو اس عظیم صدمہ کو برداشت کرنے کی طاقت اور صبر جمیل عطا فرمائیں کہ یہ یقین کہ انکی اگلی زندگی جنت کی زندگی ہے اس صدمے کو ضرور کم کر دے گا انشاءاللہ ڈاکٹر صاحب کے احسان مندوں میں سے ایک؛

(محمد عمر، وائس چیئرمین و نمائندہ بزم طلوعِ اسلام، لاہور)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احترام

مسٹر اے۔ کے بروہی کا ایک مقالہ بہ عنوان احترام (Reverence) معاصر ڈان میں شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے کارلائل اور گوئٹے وغیرہ کی اسناد اور سقراط کی مثال سے بتایا کہ نوجوانوں کا حقیقی جوہر یہ ہے کہ وہ اپنے اندر احترام کا جذبہ پیدا کریں۔ بغاوت اور سرکشی کوئی قابل قدر جذبہ نہیں۔ تعلیم و تربیت کا ماحصل، تعظیم و تکریم اور احترام و سپردگی کے جذبات ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے بتایا ہے کہ ہمارے زمانے میں تعلیم کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس سے طالب علموں کے دل میں احترام و تعظیم کے جذبات پیدا نہیں ہوتے، وہ سرکشی اور بغاوت میں فخر محسوس کرتے ہیں اور یہ مسلک ہمارے معاشرہ کے لئے بڑا خطرناک ہے اگر اس کی جلد اصلاح نہ کی گئی تو اس کے نقصانات کی تلافی ناممکن ہو جائے گی۔

ہم مسٹر بروہی سے حرفاً حرفاً متفق ہیں کہ احترام و تعظیم کے جذبات، شرف انسانیت کے آئینہ دار ہیں اور جس معاشرہ کے نوجوانوں کے دل ان جذبات عالیہ سے عاری ہوں گے وہ معاشرہ کبھی مہذب و متمدن نہیں کہلا سکے گا۔ ہم اس سے بھی متفق ہیں کہ خود معاشرہ کے قیام و بقا کے لئے ضروری ہے کہ افراد معاشرہ کے دل میں احترام و تکریم کے جذبات موجزن رہیں۔ بغاوت اور سرکشی کی بنیادوں پر کوئی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ آج ہماری قوم کے نوجوانوں کے دل سے احترام و تعظیم کے جذبات اٹھتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ بغاوت و سرکشی کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں جن کے مظاہرے آئے دن ہمارے اجتماعات میں ہوتے رہتے ہیں۔

> ہمیں اس سے اختلاف ہے کہ ماں باپ، استاد، اسلاف کا ہر حکم (بلا مشروط) واجب الاحترام ہے، اور معاشرہ کی تمام اقدار و روایات اور ضوابط بلا استثناء واجب التعمیل۔

لیکن سوال یہ ہے کہ احترام کس کا کیا جائے؟ تعظیم کا مستحق کون ہے؟ جذباتِ سپردگی کی عقیدت کس کی بارگاہ میں پیش کی جائے؟ کس شخص کو واجب التکریم اور کون سے حکم کو واجب التعمیل سمجھا جائے؟ اس ضمن میں مسٹر بروہی فرماتے ہیں کہ:

> ماں باپ کے حکم کا احترام، استاد کے حکم کا احترام، معاشرہ کے احکام کا احترام جو اس کی اقدار و روایات و قوانین کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔

ہمیں اس سے اختلاف ہے کہ ماں باپ' استاد' اسلاف کا ہر حکم (بلا مشروط) واجب الاحترام ہے' اور معاشرہ کی تمام اقدار و روایات اور ضوابط بلا استثناء واجب التعمیل۔ اگر بروہی صاحب کے نزدیک اسی کا نام جذبات احترام و تکریم ہے تو ان جذبات سے دنیا کی کوئی قوم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس سے انسانیت کا ارتقاء رک جاتا ہے اور شرف آدمیت پر جمود و خمود طاری ہو جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کے نوجوانوں کو یہ سبق دیا جائے کہ جو کچھ ماں باپ اور اساتذہ کہیں اسے بلا چون و چرا تسلیم کئے جاؤ۔ جو کچھ اسلاف سے منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اسے کبھی تنقیدی نگاہ سے نہ پرکھو۔ اپنے معاشرہ کی روایات و ضوابط کی شدت سے پابندی کرو اور ان کا کبھی جائزہ نہ لو۔ تو اس قوم میں کبھی ایسے انسان پیدا نہیں ہوں گے جو اپنی ذہنی بالیدگی سے قوم کی سطح کو بلند کر سکیں۔ اور کاروان انسانیت کو ایک قدم بھی آگے لے جا سکیں۔ یہ وہی کورانہ تقلید ہو گی جس کا نتیجہ انسان کو حیوان بنا دینا ہوتا ہے (بلکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق حیوان سے بھی بدتر۔ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (7:179))۔ اس میں شبہ نہیں کہ بادی النظر میں اس قسم کی تعلیم بڑی خوش آئند دکھائی دیتی ہے کہ ہر ایک کی تعظیم کرو۔ جو اپنے سے بڑا ہو اس کا حکم مانو۔ ماں باپ کی اطاعت کرو۔ استاد کی فرمانبرداری کرو۔ اسلاف کے طریقے سے ایک قدم ادھر ادھر نہ ہٹو۔ اپنے معاشرہ کی روایات کا احترام کرو اور اس کے ضوابط کی تعمیل لیکن اگر بہ نگاہ تعمق دیکھا جائے تو یہ تمام حسین و جمیل جذبات' پیدا کردہ ہیں اس دور استبداد کے جس میں سکھایا یہ جاتا تھا کہ:۔

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پرویں ❶

اور پڑھایا یہ جاتا تھا کہ

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست ❷

یہی وہ ''اخلاقی ضوابط'' تھے جن کی رو سے ہر ''بڑے'' کا حکم واجب التعمیل قرار پاتا تھا۔ اس تعلیم کا آغاز ''ماں باپ کی اطاعت'' سے ہوتا تھا۔ اس سے آگے استاد کی اطاعت تھی۔ یہ استاد' پاٹھ شالاؤں میں برہمن اور مسجدوں اور مکتبوں میں ملا ہوتے تھے۔ انہی سے پیشوائیت (Priesthood) کی اطاعت مسلم ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد اسلاف کی اطاعت جو مردوں کی پرستش (Ancestoral Worship) پر منتج ہوتی تھی اور اس سیڑھی کے ذریعے' آخر الامر بادشاہ کی اطاعت' جو ایشور کا اوتار یا ظل اللہ (خدا کا سایہ) بن جاتا تھا۔ ''بزرگوں کی تعظیم'' اور ''روایات کے احترام'' کے ہی وہ جذبات ہیں جنہیں (Robert Briffault) رابرٹ برفا' (Custom Thought) اور (Power Thought) کی اصطلاحات سے تعبیر کرتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ

اس سے عقل و شعور کے صرافے میں جعلی سکوں کی بھرمار ہو جاتی ہے اور انسان ان افکار کی رو سے سوچنے پر

---

❶ اگر بادشاہ دن کو رات کہہ دے تو اس کے جواب میں کہنا چاہئے کہ ہاں حضور! وہ دیکھئے آسمان پر چاند اور ستارے چمک رہے ہیں۔ ❷ بزرگوں کی غلطی پکڑنی خود بڑی غلطی ہے۔ (س۔ا)

مجبور ہو جاتا ہے جن پر جعلی اقدار کی مہریں ثبت کر دی جاتی ہیں اور اس طرح وہ ہر شے کو رنگین چشمے سے دیکھتا ہے ❶۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، یہ ''اخلاقی ضوابط'' بڑے خوش آئند دکھائی دیتے ہیں (جس طرح سینٹ پال کی یہ غلامانہ تعلیم کہ ''دشمن سے بھی پیار کرو'' اور ''ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال سامنے کر دو'')۔ لیکن قرآن اس قسم کے غلط جذبات کی کوئی رعایت نہیں کرتا۔ وہ حقائق کو بے نقاب پیش کر دیتا ہے خواہ انہیں (Face) کرنا بعض طبائع پر کتنا ہی گراں کیوں نہ گذرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ واجب الاحترام صرف وہ حکم ہے جو حق پر مبنی ہے اور واجب التکریم وہ ہستی جو حق کا حکم دیتی ہے۔ جو حق کا حکم نہیں دیتا وہ قطعاً واجب الاحترام نہیں خواہ وہ باپ ہو یا استاد۔ اسلاف ہوں یا اخلاف۔ معاشرہ ہو یا حاکم۔ روایات ہوں یا ''مسلمات''۔

قرآن اس قسم کے غلط جذبات کی کوئی رعایت نہیں کرتا۔ وہ حقائق کو بے نقاب پیش کر دیتا ہے خواہ انہیں (Face) کرنا بعض طبائع پر کتنا ہی گراں کیوں نہ گذرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ واجب الاحترام صرف وہ حکم ہے جو حق پر مبنی ہے اور واجب التکریم وہ ہستی جو حق کا حکم دیتی ہے۔ جو حق کا حکم نہیں دیتا وہ قطعاً واجب الاحترام نہیں خواہ وہ باپ ہو یا استاد۔ اسلاف ہوں یا اخلاف۔ معاشرہ ہو یا حاکم۔ روایات ہوں یا ''مسلمات''۔

نہیں بلکہ اس کی مخالفت فرض ہے۔ قرآن کریم نے قصۂ حضرت ابراہیمؑ میں اس حقیقت کے مختلف گوشوں کو نہایت واضح انداز میں بے نقاب کیا ہے۔ وہ سب سے پہلے اپنے باپ کو دیکھتے ہیں کہ وہ بتوں کے سامنے جھکتا ہے۔ بیٹے کی نگۂ حقیقت شناس، باپ کی اس روش میں کھلی ہوئی گمراہی دیکھتی ہے۔ وہ باپ سے برملا کہتے ہیں کہ

يَآبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا (19:42)

اے میرے باپ! تو ان پتھروں کی پوجا کیوں کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی تیرے کسی کام آ سکتے ہیں۔

ایسا کہنے میں نہ تو باپ کا احترام ان کے عناں گیر ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے معبودوں کی تعظیم دامن کش۔ وہ گھر سے باہر نکلتے ہیں تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے خطاب کرتے ہیں کہ

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (21:52)

یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پرستش پر تم اس طرح جم کر بیٹھ رہے ہو؟

''بزرگوں کا احترام'' یہاں بھی (حضرت) ابراہیمؑ کے گلوگیر نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں قوم، اسلاف کی تعظیم کے جذبے کو ابھارتی ہے۔ اور ابراہیمؑ سے کہتی ہے کہ

❶ The Making of Humanity, p-83

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ (21:53)

ہم نے اپنے آباء واجداد کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔

انہی کی اتباع میں ہم ایسا کرتے ہیں۔ اسلاف کا احترام، بزرگوں کی عظمت، معاشرہ کی روایات کا یہی تقاضا ہے کہ ہم وہی کچھ کریں جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس کے خلاف دل میں خیال تک لانا بھی جرم ہی غور کیجئے! قوم کے بڑے بوڑھوں نے کس طرح اسلاف کی عظمت اور روایات کے احترام کو بطور دلیل پیش کیا ہے؟ لیکن حضرت ابراہیمؑ پر اس کا کیا اثر ہوا؟ کیا وہ ''بڑوں کے احترام'' اور معاشرہ کی روایات کی تعظیم سے مرعوب ہو گئے؟ نہیں۔ ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے پوری جرأت اور بے باکی سے کہا کہ

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (21:55)

یقین کرو۔ تم خود بھی اور تمہارے اسلاف بھی صریح گمراہی میں رہے۔

یہ کہا اور اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ تم معاشرہ کی روایات اور اسلاف کی روش کو بطور دلیل پیش کرتے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ (26:75-76) کیا تم نے کبھی اس پر غور بھی کیا ہے کہ تم اور تمہارے اسلاف جس روش کے پابند ہو اس کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس مقام پر کتنی بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ کوئی روش محض اس لئے صحیح نہیں ہو سکتی کہ وہ اسلاف سے چلی آتی ہے۔ نہ ہی کوئی دلیل اس لئے دلیلِ محکم بن سکتی ہے کہ اسے متقدمین کی سند حاصل ہے۔ تمہیں خود غور کرنا چاہئے کہ اسلاف کی جو روش ہم تک منتقل ہو کر آئی ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اگر وہ صحیح ہے تو اسے جاری رکھو اور اگر غلط ہے تو اسے فوراً ترک کر دو۔ یہ ہے صحیح مسلک۔

اسلاف کا احترام، بزرگوں کی عظمت، معاشرہ کی روایات کا یہی تقاضا ہے کہ ہم وہی کچھ کریں جو کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اس کے خلاف دل میں خیال تک لانا بھی جرم ہی غور کیجئے! قوم کے بڑے بوڑھوں نے کس طرح اسلاف کی عظمت اور روایات کے احترام کو بطور دلیل پیش کیا ہے؟ لیکن حضرت ابراہیمؑ پر اس کا کیا اثر ہوا؟ کیا وہ ''بڑوں کے احترام'' اور معاشرہ کی روایات کی تعظیم سے مرعوب ہو گئے؟ نہیں۔ ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے پوری جرأت اور بے باکی سے کہا کہ:

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (21:55)

یقین کرو۔ تم خود بھی اور تمہارے اسلاف بھی صریح گمراہی میں رہے۔

باپ اور جمہور سے آگے بڑھ کر، حضرت ابراہیمؑ معبد کے پوجاریوں تک پہنچے۔ یہی لوگ اس زمانے میں استاذ، مرشد اور ''خدا کے نمائندے'' ہوتے تھے۔ (اور آج بھی ان

کی یہی پوزیشن ہے) حضرت ابراہیمؑ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا اس کی تفصیل قرآن کے متعدد مقامات میں موجود ہے۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ انہوں نے اس نوجوان کی اس ''بغاوت وسرکشی'' کی بنا پر فیصلہ کیا کہ:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (21:68)

انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ اس نوجوان کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں۔

یہاں تک' باپ' قوم کے عام بڑے بوڑھے' اسلاف' معاشرہ کی روایات حتیٰ کہ اساتذہ' علماء' مرشدانِ طریقت' سب آ گئے۔ لیکن ابھی اس سلسلۂ استبداد کی آخری کڑی باقی ہے یعنی بادشاہ۔ حضرت ابراہیمؑ کی حق پرستی اور حق گوئی نے اس کے احترام کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور اسے ایسی کھری کھری سنائیں کہ وہ (قرآن کے الفاظ میں) اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ؕ (2:258)

یہ ہے وہ روشِ ابراہیمیؑ جس کے متعلق قرآن نے ہم سے کہا ہے کہ

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ (60:4)

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے رفقاء (کی روش) ایک عمدہ نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ جس روش کو قرآن نے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے' وہ روش یہ نہیں کہ ماں باپ' اساتذہ' مذہبی راہنماؤں' اسلاف' معاشرہ کی روایات اور ارباب اقتدار کے ہر حکم کا احترام اور ہر فرمان کی تعمیل کرتے جاؤ۔ ''اسوۂ حسنہ'' یہ ہے کہ جو بات حق کے خلاف ہو' وہ کہیں بھی ہو اور کسی کی طرف سے بھی ہو' اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرو۔

> حق وہ ہے جس کا حکم قرآن دیتا ہے اور باطل وہ جس سے وہ روکتا ہے۔ لہٰذا' ایک مسلمان کے لئے احترام صرف قرآنی احکام کا ہے اور اسی بنا پر' ان گوشوں کا جہاں سے قرآنی احکام صادر ہوں۔ ماں باپ ہوں یا استاذ' اسلاف ہوں یا اخلاف' بزرگ ہوں یا خورد' معاشرہ ہو یا حکومت۔ احترام صرف اس کا ہے جو قرآن کے مطابق حکم دے۔ جو اس کے خلاف حکم دے اس کی مخالفت ایک مسلم کا فریضۂ زندگی ہے اور اتباع اسوۂ رسول اللہ ﷺ۔

حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ' قرآن کریم نے نبی اکرم ﷺ کی روشِ حیات کو بطور ''اسوۂ حسنہ'' پیش کیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (33:19)۔ حضور ﷺ کی روش کیا تھی؟ آپ ﷺ کی پیدائش بھی حضرت ابراہیمؑ کی طرح ایسے ہی معاشرہ میں ہوئی جہاں ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی تھی۔ آپ نے اس مروجہ مسلک کی مخالفت اس شدت سے کی کہ قوم کے بڑے بوڑھے' کعبے کے متولی' تمام بزرگ' اکٹھے ہو کر آپ کے چچا* کے پاس آئے کہ اس نوجوان کو ان حرکات سے روکا جائے۔ خود چچا نے بھی ان کی ہمنوائی میں آپ

سے کہا کہ بزرگوں کا احترام اور اسلاف کی تعظیم بڑی ضروری ہے اس لئے آپ ان کی مخالفت سے باز آ جائیں۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے بھی وہی کچھ کہا جو حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ''اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیا جائے تو میں پھر بھی غلط بات کی مخالفت سے باز نہیں آؤں گا۔'' اور اس مخالفت کی انتہا یہ تھی کہ میدان جنگ میں ایک طرف نبی اکرم ﷺ اور ان کے ساتھی تھے اور دوسری طرف حضور ﷺ کے یہی بزرگ (چچے وغیرہ) اور ان کی اولاد۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ساری زندگی ایک مسلسل جہاد تھی اپنے معاشرہ کے مسلمات کے خلاف۔ ایک انقلاب آفریں دعوت تھی ان روایات کے خلاف جو ان کے اسلاف سے متوارث چلی آ رہی تھیں اور اس نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو حضرت ابراہیمؑ اور نبی اکرم ﷺ ہی پر موقوف نہیں' بلکہ تمام انبیاء کرام کا مشن ان روایات و تصورات کے خلاف مسلسل پیکار تھا جو اس معاشرہ میں عام ہوتے تھے جن میں وہ مبعوث ہوتے تھے۔ اس میں نہ کسی زندہ کا احترام ان کی راہ میں حائل ہوتا تھا نہ مردہ کا تقدس۔ یہ ہے اس باب میں قرآن کی تعلیم اور حضرات انبیاء کرام ﷺ کا اسوہ۔

ہم نے کہا یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جو بات حق کے خلاف ہو اس کی مخالفت عین فریضۂ زندگی ہو جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حق کسے کہتے ہیں مسٹر بروہی نے گوئٹے کا جو اقتباس دیا ہے اس میں وہ کہتا ہے کہ

احترام کیا جائے ان کا جو ہم سے بڑے (Greater) اور بہتر (Better) ہیں۔

اور خود ہی بروہی صاحب نے لکھا ہے کہ

زندگی میں جو کچھ بھلا (Good) اور بڑا (Great) ہے اس کا احترام کیا جائے۔ ''بھلا اور بڑا'' (Good and Great) کے الفاظ ایسے ہیں جن کا مفہوم متعین نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک ان الفاظ کا مفہوم متعین نہ ہو' ان کا واضح تصور سامنے نہیں آ سکتا۔ فلسفہ اور اخلاقیات آج تک خیر و شر (Good and Evil) کے متعلق کوئی حرف آخر نہیں کہہ سکے۔ اس لئے ایسے الفاظ کو احترام اور عدم احترام کا معیار قرار دینا' قوم کو نظری بحث سے آگے نہیں لے جا سکتا۔ ہمارا تخاطب مسلمانوں سے ہے (اور ظاہر ہے کہ بروہی صاحب کے مخاطب بھی اسی قوم کے نوجوان ہیں) اور مسلمانوں کے لئے خیر و شر اور حق و باطل کا امتیاز بالکل واضح ہے۔ حق وہ ہے جس کا حکم قرآن دیتا ہے اور باطل وہ جس سے وہ روکتا ہے۔ لہٰذا' ایک مسلمان کے لئے احترام صرف قرآنی احکام کا ہے اور اسی بنا پر' ان گوشوں کا جہاں سے قرآنی احکام صادر ہوں۔ ماں باپ ہوں یا استاذ' اسلاف ہوں یا اخلاف' بزرگ ہوں یا خورد' معاشرہ ہو یا حکومت۔ احترام صرف اس کا ہے جو قرآن کے مطابق حکم دے۔ جو اس کے خلاف حکم دے اس کی مخالفت ایک مسلم کا فریضۂ زندگی ہے اور اتباع اسوۂ رسول اللہ ﷺ۔

لہٰذا صحیح مسلک یہ ہے کہ

ماں باپ' اساتذہ' اسلاف کی روایات' معاشرہ کے ضوابط و قوانین کا احترام نہایت' ضروری ہے بشرطیکہ وہ حق' یعنی قرآن کے مطابق ہوں۔

یہی وہ تعلیم ہے جس سے ذہنوں میں جلاء، قلوب میں پاکیزگی، فکر میں بلندی، معاشرہ میں ہمواری، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حسنِ توازن اور انسانیت میں ارتقاء پیدا ہوگا۔ یہی چیزیں اس احترام و تعظیم کا موجب بنتی ہیں جس کی سوتیں دل کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہیں۔ احترام کے جذبات دل کے چشموں سے ابھر کر باہر نکلتے ہیں۔ انہیں باہر سے داخل نہیں کیا جا سکتا۔ احترام پیدا ہوتا ہے عظمت کے احساس سے۔ آپ قوم کے نوجوانوں کو قرآن کی تعلیم دیجئے۔ جب قرآن کی عظمت ان کے سامنے بے نقاب ہوگی تو ان کی نگہ عقیدت خود بخود قرآن کی بارگاہ میں جھک جائے گی۔ آپ اپنے ہاں قرآنی معاشرہ پیدا کیجئے۔ جب اس کے درخشندہ نتائج قوم کے سامنے آئیں گے تو اس معاشرہ کی تعظیم و تکریم کے جذبات خود بخود قوم کے دل سے ابھریں گے۔ آپ ان نوجوانوں کے سامنے ایسے افراد پیش کیجئے جو قرآنی سیرت کے پیکر ہوں پھر دیکھئے کہ انہی نوجوانوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے یا نہیں کہ

> آپ ان کے سامنے معاشرہ ایسا پیش کرتے ہیں جس کے متعلق افراد معاشرہ کی کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ وہ اسے ''چار سو بیس'' سے تعبیر کر کے بھی مطمئن نہیں ہوتے کہ ان الفاظ نے ان کے جذبات کا کما حقہ اظہار کر دیا ہے اور اس کے بعد ان نوجوانوں سے اس معاشرہ اور اس کے لزوم و تضمنات کی تعظیم چاہتے ہیں؟ آپ ان کے سامنے افراد ایسے پیش کرتے ہیں جن کے تصور سے انسان کو ہنسی آ جائے اور ان نوجوانوں کو کہنیاں مار مار کر مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ انہیں سعادت مآب کہہ کر پکاریں۔ احترام، اعترافِ عظمت کا نام ہے۔ جہاں عظمت نہ ہو وہاں احترام کس طرح پیدا ہو جائے۔ احترام از خود پیدا ہوتا ہے، پیدا کیا نہیں جا سکتا۔

مری نگاہ نے جھک جھک کے کر دیئے سجدے
جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا

آپ ان نوجوانوں کو تعلیم تو یہ دیتے ہیں کہ

جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو گرگٹ نے اس آگ کو پھونکنے کی کوشش کی۔

(ترجمان القرآن۔ اکتوبر۔ نومبر 1952ء، ص:115)۔

اور ان سے پھر توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ آپ کے اس قسم کے مذہب اور روایات کا احترام کریں؟ آپ ان کے سامنے معاشرہ ایسا پیش کرتے ہیں جس کے متعلق افراد معاشرہ کی کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ وہ اسے ''چار سو بیس'' سے تعبیر کر کے بھی مطمئن نہیں ہوتے کہ ان الفاظ نے ان کے جذبات کا کما حقہ اظہار کر دیا ہے اور اس کے بعد ان نوجوانوں سے اس معاشرہ اور اس کے لزوم و تضمنات کی تعظیم چاہتے ہیں؟ آپ ان کے سامنے افراد ایسے پیش کرتے ہیں جن کے تصور سے انسان کو ہنسی آ جائے اور ان نوجوانوں کو کہنیاں مار مار کر مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ انہیں سعادت مآب کہہ کر پکاریں۔ احترام، اعترافِ

عظمت کا نام ہے۔ جہاں عظمت نہ ہو وہاں احترام کس طرح پیدا ہو جائے۔ احترام از خود پیدا ہوتا ہے، پیدا کیا نہیں جا سکتا۔

حقیقت خود کو منواتی ہے، منوائی نہیں جاتی

جو افراد زمانے سے اپنا احترام کراتے ہیں ان کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ سارے زمانے سے لڑائی مول لیتے ہیں۔ مخالفین کا ہجوم ان سے پوچھتا ہے کہ تمہاری صداقت کی دلیل کیا ہے۔ وہ انہی مخالفین سے کہتے ہیں کہ

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (10:16)

میں نے اس سے پہلے تمہارے اندر عمر بسر کی ہے۔ کیا تم اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ایسی زندگی سچے کی ہوتی ہے یا جھوٹے کی؟

وہ یہ کہتے ہیں اور مخالفین میں سے ایک فرد بھی ایسا نہیں اٹھتا جو کہنے والے کے کیریکٹر کے متعلق ایک حرف بھی مخالفت میں کہہ سکے۔ یہی نہیں کہ ان کے سامنے ایسا نہ کہہ سکے۔ بلکہ یہ کہ اہل مکہ نے ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر ہرقل کے پاس بھیجا کہ وہ اس سے مدد مانگے تاکہ اس تحریک (نبی اکرم ﷺ کی دعوت) کا خاتمہ کیا جائے۔ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ اس داعیٔ انقلاب ﷺ کے کیریکٹر کا کیا حال ہے؟ کیا وہ جھوٹ بولتا ہے؟ کیریکٹر کے احترام کی یہ کیفیت ہے کہ ابوسفیان نے وہاں بھی اعتراف کیا کہ اس داعیٔ انقلاب نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی بددیانتی نہیں کی۔ نگاہوں کے سجدے وقف ہوتے ہیں ان افراد کے لئے۔ نہ ان کے لئے جن کی کیفیت یہ ہو کہ

کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

احترام ہوتا ہے اس معاشرے کا جس کی حالت یہ ہو کہ جب ایک نومسلم اپنے ٹیکس کا روپیہ خزانے میں داخل کرنے کے لئے لایا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اس نئے (اسلامی) معاشرہ نے تمہارے لئے کچھ کیا بھی ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ ابھی تک تو اس کا موقع نہیں آیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر تم اپنا روپیہ واپس لے جاؤ۔

احترام ہوتا ہے اس معاشرے کا جس کی حالت یہ ہو کہ جب ایک نومسلم اپنے ٹیکس کا روپیہ خزانے میں داخل کرنے کے لئے لایا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اس نئے (اسلامی) معاشرہ نے تمہارے لئے کچھ کیا بھی ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ ابھی تک تو اس کا موقع نہیں آیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر تم اپنا روپیہ واپس لے جاؤ۔ جب تک کوئی معاشرہ فرد کی ربوبیت کے لئے کچھ نہیں کرتا اسے حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس فرد کی کمائی سے کچھ لے۔ اس معاشرے کا احترام کس طرح ہو سکتا ہے جس کا عالم یہ ہو کہ

دانہ ایں می کارد آں حاصل برد

معاشرہ تو ایک طرف اس باپ کا احترام اولاد کے دل میں نہیں رہتا جو خود تو مرغ اڑائے اور بچے بھوکے مریں۔

ہمارے نوجوانوں میں البتہ ایک بات ایسی پیدا ہو رہی ہے جو بڑی معیوب ہے اور جسے کسی صورت میں بھی روا نہیں رکھا جا سکتا۔ اور وہ ہے بدتمیزی۔ ہماری نگاہیں زمین میں گڑ جاتی ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا نوجوان طبقہ بدتمیز ہوتا جا رہا ہے۔ بدتمیزی کی اجازت کسی حالت میں بھی نہیں دی جا سکتی۔ آپ نے غور نہیں کیا کہ وہی قرآن جو حریم کعبہ سے بتوں کو باہر نکال دینے کا حکم دیتا ہے اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ ان بتوں کو یا مشرکین کے دیگر معبودان باطل کو گالی دی جائے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (6:108) جو لوگ خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو گالیاں مت دو۔ کہ پھر وہ بھی حد سے تجاوز کر کے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں۔

ہمارے نوجوانوں میں البتہ ایک بات ایسی پیدا ہو رہی ہے جو بڑی معیوب ہے اور جسے کسی صورت میں بھی روا نہیں رکھا جا سکتا۔ اور وہ ہے بدتمیزی۔ ہماری نگاہیں زمین میں گڑ جاتی ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا نوجوان طبقہ بدتمیز ہوتا جا رہا ہے۔ بدتمیزی کی اجازت کسی حالت میں بھی نہیں دی جا سکتی۔ آپ نے غور نہیں کیا کہ وہی قرآن جو حریم کعبہ سے بتوں کو باہر نکال دینے کا حکم دیتا ہے اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ ان بتوں کو یا مشرکین کے دیگر معبودان باطل کو گالی دی جائے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ (6:108) جو لوگ خدا کے سوا دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں تم ان کے معبودوں کو گالیاں مت دو۔ کہ پھر وہ بھی حد سے تجاوز کر کے خدا کو برا بھلا کہنے لگیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بدتمیزی پر اتر آنا اپنی کمزوری کا اعتراف اور شکست کا اظہار ہے، اور وہ بھی بڑی کم ظرفی اور کمینگی کے ساتھ۔ جو بات حق کے خلاف ہے اس کی کھلے بندوں مخالفت کیجئے۔ لیکن بدتمیزی پر کبھی نہ اتریئے۔ تقدیر امم کے مطالعہ سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ جس قوم میں قوت باقی نہیں رہتی اس کا عمر رسیدہ طبقہ شکوہ سنجی اور مرثیہ خوانی شروع کر دیتا ہے اور اس کا نوجوان طبقہ بدتمیزی پر اتر آتا ہے۔ اس وقت پاکستان میں یہی کچھ ہو رہا ہے اور اسی صورت حالات کا احساس ہے جو سنجیدہ طبقے کو یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے کہ

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر اثر کی ہمیں تو آس نہیں

جمیل احمد عدیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جبر و اختیار

زندگی بلاشبہ سب سے مشکل سوال ہے اور یہ طے ہے کہ مشکل سوالات کے جوابات مباحث اور مناظروں سے کہیں باہر موجود ہوتے ہیں۔ بحثوں کا بجز اس کے کوئی مصرف نہیں کہ ان کے بغیر جنگ و جدال کو طول نہیں دیا جا سکتا۔ پس اس مسئلے کا حل تلاش کرنا ناممکن ہے جو مسئلہ نہ ہو مسئلہ بنا لیا گیا ہو؛ جیسے ہمارے ہاں ''جبر و اختیار'' کو مسئلہ بنا لیا گیا ہے اور مدت مدید سے علمی جنگوں میں بطور کمک استعمال ہوتا آ رہا ہے۔ فلسفیانہ باریکیوں، پیچیدہ لفظیات، منطقیانہ موشگافیوں اور ادق اصطلاحات کی زرہیں پہنے، ڈھالیں سجائے، تلواریں سونتے، نیزے تانے.....! کبھی ان آلات حرب کے بغیر بھی کسی نے اسے جاننے بلکہ محسوس کرنے کی کوشش کی ہے؟ شاید بہت کم، بہت ہی کم، حالانکہ اس مسئلے کے تعین سے زندگی کی راہیں متعین ہونے میں بے حد مدد مل سکتی تھی۔ ان گنت دشواریاں آسانیوں میں بدل سکتی تھیں لیکن ہمیں مشکلات اور کٹھنائیاں جمع کرنے کا اچھا شوق لاحق ہے، ایک مریضانہ مشغلہ میں ہم زمانوں سے مبتلا چلے آ رہے ہیں۔ کبھی ہم نے یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ اس شغل اعظم کے ساتھ چند ہستیوں اور انجمنوں کا رزق وابستہ ہے! قربان جائیں چھپانے والے نے کہاں کہاں رزق کے ذرات چھپا دیئے ہیں۔

'جبر و اختیار' کیا گھڑا ہوا مسئلہ ہے یا نہیں؟ سیدھی سی بات ہے جس کا یہ مسئلہ نہیں اسے خواہ مخواہ اس میں کود کر اسے گھڑنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے، لیکن ہماری اکثریت وفور اشتیاق سے زقند بھر کے اس میدان میں کودتی ہے اور پھر اپنے علمی کمالات کا خوب خوب مظاہرہ کرتی ہیٗ واقعی شوق دا کوئی مل نہیں ہوندا۔ وگرنہ مچھلی سے تو آج تلک کسی نے نہیں پوچھا بی بی تیرنا تیرا مسئلہ ہے کہ نہیں؟ جگنو سے تو کبھی کسی نے دریافت نہیں کیا میاں! چمکنا آپ کا پرابلم ہے یا نہیں؟ بعینہٖ حضرت انسان بھی آغاز سے جس جس جبر میں اسیر رہا ہے، بہر حال رہا ہے، جس جس اختیار کو انجوائے کرتا آیا ہے، بہر صورت کرتا آیا ہے۔ جبر و اختیار کی صورتیں شروع سے ایسے ہی چلی آ رہی ہیں، جیسی اب لمحہ موجود ہیں وہ Exist کر رہی ہیں۔ مثلاً زمانہ قدیم کا انسان بھی یہ اختیار رکھتا تھا کہ وہ جب چاہتا اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتا، اسے تب بھی یہ مکمل اختیار تھا کہ حفظان صحت کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کے دورانیہ کو طویل کر سکتا تھا۔ آج بھی صورتحال یہی ہے، آج بھی انسان یہ اختیار حاصل نہیں کر سکا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے، ہزاروں سال پہلے کے انسان کے پاس بھی ایسا خوش کن اختیار نہیں تھا۔ جب انسان غاروں میں رہتا تھا تب

بھی اس کے اپنے اعمال ہی نتائج مرتب کرتے تھے' آج کا جدید انسان بھی اپنے ہی اعمال وافعال کی نتائج آفرینی کے عمل میں گرفتار ہے۔ خوراک' پانی' آکسیجن کی پرانے انسان کو بھی اتنی ہی ضرورت تھی جتنی عہد حاضر کے انسان کو ہے۔ موجودات میں رزق کے اسباب سینکڑوں برس قبل بھی ایسے ہی بکھرے ہوئے تھے جیسے آج ہیں' تب بھی یہ تقسیم انسانوں کے ہاتھ میں تھی آج بھی انسان ہی اپنے ہاتھوں سے رزق دوسرے انسانوں میں بانٹتا ہے۔ صحیح تقسیم پر پہلے بھی قوموں کی زندگی خوشگوار ہوا کرتی تھی آج بھی اگر ایسا ہو تو لازماً زمین بہشت بریں کی نظیر دکھائی دے گی۔ دوسرے کے حق پر غاصبانہ قبضہ سے تب بھی فرد کی ذات سیاہی مائل ہوتی تھی' آج بھی یہی عمل دہرانے سے لازماً ذات کی نشوونما متاثر ہوگی۔ فرد کی برداشت کے تناسب سے زہر کی مقدار تب بھی ایسی ہی ہلاکت آفریں ثابت ہوتی تھی جیسے آج ہوتی ہے۔ پہلے بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پھانسی کی سزا پانے والے کی گردن میں رسی بندھی ہوئی ہو اور وہ جھول رہا ہو پھر جب اسے اتارا گیا ہو اور وہ زندہ سلامت ہو' اس تجربے کو دہرانے سے آج بھی لاش ہی وصول کرنی پڑے گی' جیتا جاگتا انسان نہیں۔ وہ قومیں جنہوں نے ماضی میں دوسری قوموں کی زندگی اجیرن کر دی بال آخر وہی ایذا رسانی خود ان کے اپنے لئے عذاب بن کر نازل ہو کے رہی۔ ہدایت یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت کرنے والے افراد زندگی کی مسرتوں سے بہرہ یاب تب بھی ہوتے تھے' آج بھی ایسا ہی ہوسکتا ہے۔ خالق کائنات اپنے طے شدہ قوانین میں پہلے بھی ترمیم نہیں کرتا تھا آج بھی وہ کسی کو رعایتی نمبر دینے کو تیار نہیں۔ سوال اس کی قدرت کا نہیں' قانون قدرت کا ہے۔ بس اس نے یہ کہہ دیا کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں' اب وہ آخری ہی رہیں گے' چاہے کوئی کچھ کر لے' اس کے حکم میں کسی نوع کی کوئی ترمیم ممکن نہیں۔ جن رشتوں کی تحریم آ گئی ہے وہ ایسی ہی رہے گی کبھی تحلیل میں تبدیل نہیں ہوسکتی۔ یہی اس کے قانون کی اٹل تعریف ہے۔ ہماری دانست میں یہ بحث بالکل غیر ضروری ہے کہ وہ ایسا کرسکتا ہے یا نہیں کرسکتا۔ نہیں وہ ویسا کبھی نہیں کرے گا کیونکہ اس نے کہہ دیا ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ اگر اس نے یہ اصول بنا دیا ہے کہ انسان خیر وشر کے انتخاب میں کامل آزاد ہے تو وہ یہ آزادی کبھی سلب نہیں کرے گا' ہاں مزید یہ کہ اس نے خیر کے اختیار کی صورت میں جو نتائج رکھ دیئے ہیں وہ وہی رہیں گے' بالکل اسی طرح جو اسنے شر کے سلسلہ میں رکھ دیئے ہیں۔ اب آگے انسان کی اپنی مرضی ہے' خالص اس کی اپنی مرضی کیوں کہ اس احسن الخالقین کی یہ سنت کبھی تبدیل نہیں ہوگی جو ازل سے جاری ہے کہ ہر فرد کو اپنے اعمال کے حوالے سے خود جوابدہ ہونا ہوگا' حساب دینا ہوگا اور ظاہر ہے حساب وہ اسی صورت میں دے گا جب ہدایت وگمراہی کے باب میں اس نے انتخاب کی آزادی (Freedom of Choice) کے حق کو ہر مداخلت سے بالا ہو کر استعمال کیا ہوگا۔ صاحبو! آخر میں ہمیں بس اتنا عرض کرنا ہے کہ قومی سطح پر ہم سے غالباً غیر شعوری طور پر ایک گناہ کبیرہ سرزد ہو رہا ہے کہ ہم اپنے افعال کو اپنے رب سے منسوب کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے اپنے اعمال کا کسی اور کو ذمہ دار بھلے قرار دے لیجئے مگر اس خدا کے سر نہ تھوپیں جو سب سے منزہ ہستی ہے' سب سے پاکیزہ ہستی ہے!

ادارہ

ہیں آج کیوں ذلیل۔۔۔

(شمس العُلماء حافظ سید محب الحق مرحوم 1855-1950ء)

سوال یہ ہے کہ جب مسلمان حق پر ہیں تو ایسے برے حال میں کیوں ہیں' یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر۔ یہاں تک کہ ہندوؤں سے بھی ہر چیز میں کہیں فروتر۔

(قبلہ حافظ صاحب کی کتاب دعوت الحق میں ایک طالب آپ سے سوالات پوچھتا ہے اور آپ اس کے جوابات دیتے ہیں۔ وہ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہونے کے بعد مندرجہ بالا سوال پوچھتا ہے۔ یعنی حافظ صاحب' طلوع اسلام میں شائع شدہ سوال کو اسی طالب کے سوال کی آخری کڑی قرار دیتے ہیں۔ طلوع اسلام)

ہاں یہ اعتراض صحیح ہے' اس کا جواب ذرا توجہ سے سنئے۔

خدا نے بندوں کا برا حال دیکھ کر پیغمبروں کے بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا' ہر قوم میں پیغمبر آئے۔ خدا کا پیغام لائے' یعنی کتاب اللہ لائے۔ اسے قوم کو دیا۔ اور اس پر خود عمل کر کے انہیں بتایا۔ قوم نے ترقی کی۔ مختلف اقوام میں سے ہر ایک قوم کو اصول کے اعتبار سے ایک ہی کتاب مختلف زبانوں میں ملتی رہی تھی۔ ہر کتاب ایک دوسرے کی مصدق۔ کیونکہ ہر ایک کتاب قانون فطرت کے مطابق تھی۔

خدا کی شان سے یہ بہت بعید تھا کہ فطرت تو کچھ اور بناتا اور حکم کچھ اور دیتا۔ سب پیغمبروںؑ کی کتابیں جب ان کی قومیں ضائع کرتی گئیں تو آخر میں ایک پیغمبر ساری دنیا کے لئے آیا۔ چونکہ اس کے بعد کسی اور پیغمبر کی ضرورت نہ تھی اس لئے رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ اب اس کی ضرورت تھی کہ اس کتاب کو جو اللہ نے اس پر وحی کی تھی' محفوظ رکھا جاتا اس کی

حفاظت خدا نے اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ دیکھ لو۔ وہ اب تک خدا کی حفاظت میں ہے۔ یہی اسلام اگلی کتابوں میں تھا۔ ''یقیناً قرآن پہلی کتابوں میں بھی تھا۔'' (شعراء) چنانچہ تمام کتب سابقہ ایک دوسرے کی مصدق تھیں اور وہ اب قرآن میں آ گئیں اس لئے قرآن ان سب کا مھیمن (محافظ) ٹھہرا۔ اس لئے ہمیں حکم دیا کہ سب پیغمبروں اور ان کی تمام کتابوں پر ایمان لاؤ' قرآن پر ایمان' ان سب پر ایمان کو اپنے اندر لے آتا ہے۔ خدا ایک۔ رسول سب برحق۔ کتابیں سب ایک دوسرے کی مصدق کیونکہ سب فطرت کے مطابق تھیں اور فطرت غیر متغیر ہے۔ لَا تَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰہِ ؕ (30:30)۔ اسی طرح لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ (10:64)۔

جس طرح ساری قوموں نے اول اول اصل کتاب اللہ پر عمل کیا اور اس سے دین اور دنیا کی کامیابی حاصل کی۔ رفتہ رفتہ دنیا کا خیال دین پر غالب آنے لگا تو انہوں نے کتاب اللہ کو ضائع کرنا شروع کر دیا اور اس کی جگہ بنائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہو گئے۔ آہستہ آہستہ کتاب اللہ کی جگہ ان ہی باتوں نے لے لی۔ باتوں کو حدیثیں کہتے ہیں۔ تورات و انجیل کو اٹھا کر دیکھو۔ کہیں خدا کا قول نہیں ملے گا۔ ہر جگہ یہی ملے گا کہ رسول نے یہ کہا۔ نبی نے یہ فرمایا۔ یوں ان کی کتابیں ضائع ہو گئیں۔

مسلمانوں کا جب تک قرآن پر عمل دخل رہا' کامیابی نے پرچم لہرایا۔ سلطنت نے عروج پکڑا۔ یہ عروج ایسا محکم تھا کہ قرآن چھوڑنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک اس کے اثرات باقی رہے۔ اس کے بعد سلطنت نے دین کو دنیا سے الگ کر دیا۔ دنیا کا خیال دین پر غالب آیا۔ اس کے لئے قرآن پیچھے ڈالا گیا اور جس طرح پچھلی امتوں نے حدیثیں بنائی تھیں' انہوں نے بھی یہی کچھ کرنا شروع کر دیا۔ اب جو جج اور قاضی مقرر ہوتے تھے ان کی تقرری کا معیار' حدیث دانی ہوتا تھا۔ اب عزت و تکریم قرآن جاننے والوں کے لئے نہیں بلکہ حدیث جاننے والوں کے لئے تھی۔ موضوعی حدیثوں کا دروازہ کھل گیا۔ خدا نے حکم دیا تھا اَحۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ (5:49) (جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلے کرو) اور ''سو ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کیا ہے تا کہ تو متقیوں کو اسکے ذریعے بشارت دے اور جھگڑالو قوم کو اس کے ذریعے ڈرائے۔'' (مریم) یعنی فیصلے بھی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ (47:9) کے مطابق ہونے تھے اور تبشیر و تنذیر بھی اسی کے ذریعے۔ لیکن قوم نے کیا کیا۔ اسے بھی سنئے۔

خدا کا فرمان تھا کہ اے رسول ان سے کہہ دے کہ ''یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا تھا تا کہ میں تمہیں بھی اس سے ڈراؤں اور اسے بھی جس تک یہ پہنچے۔'' (انعام) یعنی جو کچھ خدا نے وحی کیا وہ سب قرآن میں تھا۔ قرآن سے باہر وحی کہیں نہ تھی۔ لیکن قوم نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ ایک وحی جلی ہے جو قرآن میں ہے اور ایک وحی خفی ہے جو حدیث ہے۔ خدا نے قرآن کی

تبلیغ کا حکم دیا لیکن قوم نے کہا کہ نہیں جبریل (معاذ اللہ) حضور ﷺ کے کان میں کہہ جاتے تھے کہ جو کچھ قرآن میں وحی کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ تم یوں حکم دو۔ مثلاً خدا نے وصیت کا حکم دیا ''لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (2:180)'' جبریل نے کہا کہ یہ دکھلاوے کا حکم ہے۔ اصل حکم یہ ہے لا وصیۃ لوارث (وارث کے لئے کوئی حکم نہیں)۔ یعنی خدا نے وصیت کا حکم دیا۔ اس کی تاکید کی اور جو وصیت نہ کر سکے اس کی طرف سے خود وصیت کر دی (وصیۃ من اللہ) لیکن آیتِ وصیت کو حدیث نے منسوخ کر دیا۔ اور اسے ترکہ کی آیت فرض کر کے ترکہ کی تقسیم شروع کر دی۔ اور محجوب وغیرہ کا قصہ کھڑا کر دیا۔ اسی طرح قرآن نے کہا تھا کہ زنا کی سزا سو دُرے ہیں۔ لیکن قوم نے حدیث گھڑی اور کہہ دیا کہ زنا کی سزا سنگسار ہے۔ حالانکہ سنگسار کا حکم قرآن میں کہیں بھی نہیں۔ یہ صریح قرآن کی تحریف اور رسول ﷺ پر اتہام ہے۔ غرضیکہ کہاں تک لکھا جائے۔ قرآن کا کوئی حکم اور کوئی تبشیر و تنذیر نہیں جو حدیث سے متاثر نہ کر دی گئی ہو۔

وحی خفی کو فرض کر کے حدیثوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا اور اس طرح آپ کو متہم کر دیا۔ یہ پہلی بدعت تھی جو دین میں داخل کی گئی۔ اسی سے سب فرقے بنے۔ شیعہ، سنی، مقلد، غیر مقلد، شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی اور علیٰ ھذا کس قدر فرقے نکلنے شروع ہو گئے۔ یہ سب فرقے حدیث کی وجہ سے نکلے اور مسلمان شرکوں میں داخل ہو گئے، کہ قرآن کا حکم ہے کہ

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾ (30:31-32)

''دیکھنا! تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر دیئے اور خود بھی ایک فرقہ بن کر بیٹھ گئے۔ چنانچہ پھر حالت یہ ہو گئی کہ ہر فرقہ اپنے مسلک پر مگن ہو کر بیٹھ گیا۔

یوں آخری اسلام میں بھی پھوٹ پڑ گئی اور پھوٹ خدا کا عذاب ہے۔ ''خدا اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے۔ یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو اور ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) کی شدت کا مزہ چکھے'' (انعام) مسلمانوں نے اس پھوٹ کا خوب مزہ چکھا ہے اور بغداد کی تباہی کے بعد یہ عذاب شدید ترین شکل میں ان پر مسلط ہو چکا ہے۔ یہ ہے راز مسلمانوں کی تباہی کا۔ قرآن سے منہ موڑ کر اگر ذلیل نہ ہوتے تو اور کیا ہوتا۔ انہوں نے قرآن کو چھوڑا تو باقی رسومات رہ گئیں۔ انہوں نے کہا کہ رسومات کو محکم طور پر قائم رکھو۔ بس یہی مذہب ہے۔ فقط اتنا یاد رکھو کہ فلاں چیز سنت ہے۔ فلاں مکروہ ہے۔ فلاں

واجب ہے۔قرآن ان اصطلاحوں سے بے نیاز ہے۔قرآن میں جس چیز کے کرنے کا حکم ہے وہ فرض ہے اور بس۔ قرآن اصطلاحات سکھانے اور رسومات کا پابند بنانے نہیں آیا تھا۔ وہ آیا تھا مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کرنے کے لئے۔قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ... الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (9:24) (توبہ) ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے خاندان کے لوگ اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے پر تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو۔تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا'' مسلمان جب تک قرآن کے متبع تھے' جہاد ان کے نزدیک سب سے بڑا فریضہ تھا۔ جب جہاد سے دل چرانے لگے تو پھر قرآن کے بجائے حدیثیں جمع کرنی شروع کر دیں جن میں ذرا ذرا سی بات پر ثواب کے پہاڑ مل جانے کی ''بشارتیں'' لکھ دی گئیں۔خدا نے قرآن کے متعلق فرمایا تھا کہ ''اسی قرآن سے زندگی کی شادمانیاں حاصل کرو۔ یہ ان چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم جمع کرتے پھرتے ہو'' لوگوں نے اس کو یوں مذبوح کہا کہ قرآن ان خزانوں سے بہتر ہے جنہیں تم جمع کرتے ہو۔لیکن تقابل ہمیشہ ہم جنس میں ہوتا ہے۔اگر میں کہوں کہ چاند تارے میری کتاب سے بہتر ہیں تو یہ بات بے معنی ہوگی۔لوگوں نے حدیثیں جمع کرنا شروع کر دی تھیں۔اس کو خدا نے منع فرمایا۔اور خدا کے رسول ﷺ نے بھی منع فرمایا اور صاف کہہ دیا کہ لا تکتبوا عنی سوی القراٰن ومن کتب عنی شیئاً فلیمھا۔ (مجھ سے قرآن کے سوا اور کچھ نہ لکھو۔جس نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ اور لکھ لیا ہے اسے مٹا ڈالے) اسی کے اتباع میں خلیفہ اولؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم ان قوموں کو جانتے ہو جنہوں نے حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں اور کتاب اللہ کو ضائع کر دیا۔دیکھو تورات اور انجیل اس پر شاہد ہیں۔اسی کی تعمیل میں خلیفہ ثانیؓ نے فرمایا کہ حسبنا کتاب اللہ (ہمارے اللہ کی کتاب کافی ہے) اور حدیثیں بیان کرنے والوں کو مجرم قرار دیا اور جلا وطن اور نظر بند کر دیا۔مگر آخر میں زمانہ بدل گیا۔ بادشاہوں کی سطوت رنگ لائی۔حدیث کو رسول ﷺ کے نام کے ساتھ منسوب کر کے بدعت قائم کی اور اسے قرآن میں ضم کر دیا۔ بلکہ قرآن پر حکم قرار دے دیا۔اب مولوی۔مشائخ۔امام بننے شروع ہو گئے۔حضرت ابوبکرؓ ' حضرت عمرؓ ' حضرت عثمانؓ ' حضرت علیؓ میں سے نہ کوئی مولوی تھا نہ مولانا۔نہ امام نہ کچھ اور وہ سب مومن تھے اور خدا کے بندے۔خدا کا حکم تھا کہ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (6:106) (اے رسول جو کچھ تم پر خدا کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اس کی اتباع کرو)۔آپ نے کما حقہٗ قرآن کی تعمیل فرمائی جس کی خود خدا نے شہادت دی۔قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ (ان سے کہہ دو کہ میں صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے

رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے)۔یعنی رسول اللہ نے منادی کردی کہ میرا عمل قرآن کے سوا اور کسی چیز پر نہیں ہے اس سے واضح ہے کہ جس چیز کو قرآن نے فرض قرار دیا ہے وہی رسول اللہ کی سنت تھی۔سنت اور فرض دو الگ الگ چیزیں نہیں۔قرآنی فرائض کے علاوہ سنت اور کچھ نہیں کہ رسول ﷺ نے قرآن ہی پر عمل کیا تھا اور عملِ رسول ﷺ کو سنت کہتے ہیں۔اسی لئے قرآن نے کہہ دیا کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (یعنی چونکہ رسول قرآن پر عمل کرتا ہے اس لئے جس نے رسول کی اتباع کی اس نے خدا کی اطاعت کی)۔بات بالکل صاف ہے قرآن سے باہر سنت کی تلاش کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) زبان سے تو یہ کہتے تھے کہ میں صرف قرآن کی اتباع کرتا ہوں (اِنْ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ) اور عملاً قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی اتباع کرتے تھے جسے اب قرآن سے باہر سنت کہا جاتا ہے۔

ہمارا لکھنا آپ صاحبوں کو برا معلوم ہوگا۔لیکن میں اب اگلی منزل سے بہت قریب ہوں اس لئے میں نے جو کچھ حق سمجھا اسے کھلے الفاظ میں کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔آپ لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور خدا کو ایک دم بھول چکے ہو۔میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اللہ اللہ ہے اور وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (18:26) (وہ اپنے حکم میں کسی اور کو شریک نہیں کیا کرتا)۔آپ خدا کو کافی سمجھئے پھر دیکھئے کہ خدا آپ پر ویسا ہی مہربان ہو جائے گا جیسا پہلے تھا۔اپنے بدعتی خیالات سے دین کو خالص کرو اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ (39:3) (دین خالص صرف اللہ کے لئے ہے)۔بس دین خالص میں (جو قرآن کے اندر ہے) مسلمانوں کی تمام فلاح و بہبود مضمر ہے۔جس دین میں بدعت کی آمیزش ہو جائے وہ دین خالص نہیں رہا کرتا اور ''ملے جلے دین'' کا نتیجہ (جسے خدا شرک قرار دیتا ہے) ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔جب تک جی چاہے اسے آزما لو۔یہ اللہ کا قانون ہے جو نہ پہلی امتوں کے لئے بدلا ہے نہ تمہارے لئے بدلے گا۔مسلمانو! ایک مرتبہ پھر کہو کہ

حسبی اللہ۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر

میرے لئے اللہ کافی ہے۔وہی بہترین آقا ہے اور وہی بہترین مددگار۔

پھر اس کے بعد دیکھو کہ اس کی ولایت اور نصرت کفایت کرتی ہے یا نہیں۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى (20:47)

The world is desperate for Prophet's (PBUH) revolutionary system

Episode No. 3

By G. A. Parwez
(Translated by: Mansoor Alam)

Economic system

Today's period is called the age of economics. Communism and socialism claim universal equality of humankind. I have written so much about the weakness and shortcomings of these systems that there is no need to repeat it here.My topic for 1975 Tolu-e-Islam convention was "Where Marx failed" in which I explained that Marx himself admitted that, although the principle of communism is right, but it cannot be practically implemented because he said he cannot find the inner driving force behind the principle that: why one should work hard and give all the surplus wealth to the government to help others? So, I showed how our Prophet (PBUH) practically established this universal system of sustenance and how this system can be established even today in the light of the Quran. I want to mention one thing here: how our Prophet (PBUH) warned the custodians of capitalism that if you don't change this system then poor and subjugated will rise up against you and will sink the ship of capitalism taking down with everyone. The Prophet (PBUH) explained this with an example:

Some people boarded a ship. There were some people on the top deck and some at the bottom deck. Some people from the bottom deck went to the top deckto fetch water. The upper deck people denied the water saying you people from the bottom deck are bothering us. At this, the ones at the bottom deck told them that they will poke a hole in the ship and will get water that way.This way all them will sink. If the upper deck elite group had allowed them to take the water then everyone would be saved.

The Prophet (PBUH) issued this warning to the capitalists 1400 years ago. Do you see how this is true exactly today? Oxfam International reports the following facts:

"The world's richest 1% have more than twice as much wealth as 6.9 billion people. Almost half of humanity is living on less than $5.50 a day. Billionaires have now more wealth than the 4.6 billion people who make up 60 percent of the planet's population.Extreme inequality is out of control. Hundreds of millions of people are living in extreme poverty while huge rewards go to those at the very top. There are more billionaires than ever before, and their fortunes have grown to record levels. Meanwhile, the world's poorest got even poorer.Many governments are fueling this inequality crisis. They are massively under taxing corporations and wealthy individuals, yet underfunding vital public services like healthcare and

education.These policies hit the poor hardest. The human costs are devastating, with women and girls suffering the most. Despite their huge contribution to our societies through unpaid care work, they are among those who benefit the least from today's economic system."

Obviously, this kind of exploitative system of humanity cannot continue forever. This will lead to catastrophe. The Prophet (PBUH) warned about this 1400 years ago. The only system that will survive is the one which is based on universal permanent values.

Religion

The custodians of religion blame the younger generation for the problems of the world because they say that the new generation is getting away from religion.Among these religious custodians are also our Muslim ones because Islam has become religion and is no longer the Deen that Allah gave, and our Prophet (PBUH) implemented it –and that continued until the first period of Islam. Professor Hocking draws the picture of what religion has become now:

"All living religionsare wretched vessels. They are all wrapped in sanctimony, dusty-eyed with self-satisfaction, stiff-jointed with the rheum-rust of their creedal conceits, so timorous under the whips of conformity thatonly a few dare the perilous task of thinking."

Bertrand Russell is clearer on the point when he says:

"Religion prevents our children from having a rational education; religion prevents us from removing the fundamental causes of war; religion prevents us from teaching the ethic of scientific co-operation in place of the old fierce doctrines of sin and punishment. It is possible that mankind is on the threshold of a golden age; but, if so, it will be necessary first to slay the dragon that guards the door, and this dragon is religion."

What kind of religion they are searching for is expressed by the famous American psychoanalyst Erich Fromm thus?

"A religion which corresponds to the development of the human race; the most important feature of such a religion would be its universalistic character, corresponding to the unification of mankind which is taking place in this epoch; it would embrace the humanistic teachings common to all great religions of the East and the West..... It will be the first fully human religion in history. [Erich Fromm. The Sane Society, p. 352]

Because the Western thinkers do not have any concept of Deen, therefore, they do not have in their language any word which could capture the concept of Deen. Whatever I have presented it is clear that Western thinkers are really searching for "Deen," not religion – as they are frustrated with religion. In fact, religion is entering an age in which it is ready forits own demise – because it has entered a phase in which it is doing its death dance. On the other side, even to Muslim mind the Deen has disappeared, so they practice Islam as a religion and present Islam to others as

religion.

Debates and arguments

So, we engage in debates with other religionists to prove the superiority of Islam as a religion and then we celebrate our presumed victory over other religions. Leave aside common people, Mirza Ghulam Ahmad Qadyani declared himself a messenger from God in order to prove superiority of Islam over Christianity and Arya Samaj. To defeat the Christians, he proclaimed that Jesus (PBUH) has died. He claimed this by saying that he is the one who broke the Jesus' crucifixion stand. On one hand he was claiming this, and other hand he was asking Muslims that it is their religious obligation to obey the British Colonial rulers because they believed in the crucifixion of Jesus (PBUH).He passed away beating the drum of his greatness and soon afterwards the followers of Jesus (PBUH) dismantled whatever was left of the Muslim nation after the first world war.In order to free Muslim from the bondage of sacred deception of religion, Allama Iqbal came up with the idea of a free Muslim nation Pakistan, so that superiority of Deen over all the other systems of life in the world could be proven by implementing the divine system of life of Deen in Pakistan.

Religiosity in Pakistan

But what a miserable tragedy that the greed of power byrulers, capitalists, and religious priesthood turned Allama Iqbal's dream into nightmare; and instead of resurrecting Deen, the religious priesthood entrenched itself even more forcefully and spread their religious deceptive web and its long tentaclesmuch more deeply and widely. The goal of religion is to gratify individual human emotion which it does by brainwashing people that they will get reward from God. Let me mention two recent examples that illustrate this. Imam of the Prophet's (PBUH) mosque in Medina came to Pakistan. When it was announced that he will lead the Juma'ah's prayer in the Badshahi Masjid then around five hundred thousand people came to attend the prayer. No doubt our love of the Prophet (PBUH) attracts us with anything that is attributed to his name. We don't even throw the seeds of dates so that human feet do not trample them. We burry them under the ground. The Imam of Prophet's (PBUH) mosque is Ahle-hadith and everyone knows about the extremism of House of Saud. What to say of building domes on mausoleums, they even level graves that protrude above the ground. They even leveled to the ground level the graves of the companions of the Prophet (PBUH). After theImam of Prophet's mosque, the Imam of Kaaba also came to Pakistan and delivered Jum'ah's sermon in the Badshahi masjid, and again, around five hundred thousand people attended the prayer. The Imam of Kaaba declared in his sermon that praying at a grave or making du'a at a grave is Kufr (Nawaa-e Waqt, Lahore, March 6, 1976). But after finishing the Jum'ah prayer and listening that praying at grave is Kufr by the Imam of Kaaba and gratifying their emotions, the crowd rushed to the Mausoleum of Data Ganj as preparations were being made for celebrating 'Urs. They not only prayed Fatiha at the Mausoleum but also sprayed rosewater and flowers and spread cloth sheet on the

grave and gratified their emotions once again.And, in the night, they attended a dance show by famous Soviet dancers in Jinnah Garden, and gratified their emotions once again. The irony is that all the three events were organized by the government, which declares Islam as its religion.If, instead of religion if the state declared Islam as its Deen, then, in it there would have been no place of such eccentricities as these examples illustrate!

Islam has been reduced to just being sermon

I mentioned earlier that Deen has been reduced to just being sermon in religion. We have been listening forever that if Muslims get united then no nation on earth can dominate them. From pulpits of mosques and other platforms this sermonizing has reached international gatherings of Muslim leaders. Recently we had a conference in Lahore of leaders of all the Muslim countries who delivered speeches exhorting the unity of the Muslim Ummah and passed resolutions regarding this and then went back to their different countries. This has become a routine sacred ritual. Now currently there is Prophet's(PBUH) World Seerah Conference is going on in which more than hundred famous scholars from various Muslim countries are participating. They are proclaiming that 1400 hundred years ago the Prophet (PBUH) gave the idea of universal brotherhood of humankind; that if Muslim act on this ideology given by the Prophet (PBUH) then they will dominate the whole world (Nawaa-e Waqt, Lahore, March 6, 1976). Then collectively they prayed for the world domination of Islam.In fact, Maulana Kauthar Niyazee issued the following statement:

1976 is of special importance to Pakistan. In fact, this year is going to be the year of domination of Islam; it is going to be the year of the unity of Muslim Ummah. The forces of Baatil will get defeated this year, Insha Allah! (Nawaa-e Waqt, Lahore, March 6, 1976). There must have been calls of Allahu Akbar for these great sermons delivered famous Muslim scholars of religion! But those whose heart's ears were tuned to hearing some inner voice emanating from Allama Iqbal's grave from the other side of the mosque must have listened to his call as well:

Keep them busy in hallowed rituals
Make them strong in ascetic mindset

Warning of Toynbee

So, therefore, it is clear those addicted to religious cannabis are used to daydreamingthese beautiful dreams. But deep thinkers who have the realities in front of them, what do they say about us? Arnold Toynbee is the great historian of our time. He says (in his book, The World and the West) that there are many ideologies in the West that are very harmful for progress and development for humanity. Among them is our nationalism. But Turks and other Muslim nations are adopting nationalism just as they are adopting other ideologies of the West. We have to ask ourselves what would the consequences be for the world if Muslims– despite their ideology of universal brotherhood that demolishes differences based on race, language, ethnicity, etc. – also start adopting our narrow-minded ideology of nationalism?

Today we are realizing that although our ideology of commercialism and consumerism is expanding worldwide and is opening the world market and bringing nations closer, but the Muslims' ideology of universal brotherhood – and this is the ideology that can fulfil the demands of time – is far better that our worship of debilitating and vested ideology of nationalism and patriotism. In contrast to this, Europe now has more than dozen nations because of the ideology of nationalism. The condition of Europe after the second world war has become even worse and many other nations have come into existence. This is a danger for which there is no cure for it under the current situation. This is the condition of Europe but other nations are so impressed by Europe's material progress that they are blindly imitating Europe. At least we should expect from Muslims that they will not abandon their universal brotherhood and adopt Europe's narrow-minded nationalism. Although the universal brotherhood of humankind has always been necessary for humanity's welfare and progress but in this atomic age its necessity has become intensely significant.

The Western thinkers have this expectation from us. But our condition is that none of the Muslim nations are willing to abandon their nationalism and take even one step towards brotherhood of Ummah.However, you can get as many sermonsfrom them as you want.

One question

My dear friends, many thinkers and writers of the West come to me. I present various aspects of the Islamic system. And they become convinced of Islam's efficacy and truth. But they ask me that Muslims have Iman that they are one brotherhood of Ummah but why not a single Muslim nation has implemented this as the foundation of its nation? If you cannot implement this beautiful concept of universal brother of Muslims in your own nation, then how can you invite the world towards universal brotherhood of humankind? What reply I can give my friends, when those who organize these world Muslim conferences and world Seerah conferences, even they cannot give any answer to this question since we did not become one nation possessing the common ideology of Iman.

Please keep in mind that we cannot implement this idea simply by giving sermons. If we practically implement it anywhere then it beneficial results will attract others towards it. The Prophet (PBUH) spent 13 years in Mecca and started inviting people to Islam. But they not only did not listen to it but this message sounded strange to them as no messenger had come to them before the Prophet (PBUH). After constant effort by the Prophet (PBUH) only few accepted Islam and then the Prophet (PBUH) took his companions and migrated to Medina and practically established the Deen there. And within few years after the establishment of the Deen, Islam expanded very fast so much so that: وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (110:2) – You will see how quickly the results ensue. However, at this juncture keep it clearly in mind that when succor and victory are achieved according to the Divine Laws; when opposition from these people dies off; the avenues of Deen open up;and you will see how people start

joining the Divine Order in groups after groups. Very soon – during the period of Khalifa 'Umar (R) – this divine system of Deen stretched from Egypt all the way to Iran as one nation of Islamic brotherhood. Even today if this divine system of Deen is established anywhere then the world will see how other nations – who are so distressed with their own wrong systems – are attracted by its humanistic fruitful results. If no nation steps up to implement this system, then the trial-and-error approach will take over and push this system forward at its own slow speed with one iteration after another iteration; and who knows how long it will take; and in the meantime the humanity will be going through many destructive periods along the wayas there is no way to move towards the humankind's welfare and development without this system? As Allama Iqbal put it in his book, "The Reconstruction of Religious thought in Islam:

"The main purpose of the Quran is to awaken in man the higher consciousness of his manifold relations with God and the universe. It is in view of this essential aspect of the Quranic teaching that Goethe, while making a general review of Islam as an educational force, said to Eckermann: 'You see this teaching never fails; with all our systems, we cannot go, and generally speaking no man can go, farther than that.'" [page 7]And this is meaning of the Prophet (PBUH) being the last one, and the declaration of the finality of the Prophethood. The prophet's (PBUH) messengerhood is beyond space and time. The Prophet (PBUH) is the messenger for the last human on earth. One who does not believe in this fact and is waiting for some messenger to come, then his Iman on Islam is false. He cannot be counted in the Ummah of the Prophet (PBUH). I have said many times that in the present darkness the Prophet's (PBUH) example is the source of light in the ocean of humanityand its points to the shore. The present extreme darkness that has engulfed humanity now is not a depressing sign for humanity but a sign of hope and optimism because as Ghalib says:

The extreme darkness of the night is welcome omen for morning
The lamp is extinguished because the Sun is rising in the morning

Let us see which place in the world is fortunate enough to catch the first ray of the sunshine of humanity (PBUH). Once this happens the leadership of humanity will be in its dominion which will be celebrating it by proclaiming to the world:
إِنَّ اللَّـهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (33:56) – These laws are framed to make your society a model for the humanity. As has been said before, by virtue of obeying these laws you will receive all the help from the Divine System and the heavenly forces. This very help and support is also available to the central authority of your system, in the light of the ever shining example of the Prophet (PBUH). However, this does not mean that you need not do anything because Allah the Almighty and His heavenly forces are out to help and support. No! It is of prime importance that you become a continuous source of strength and unswervingly dedicated to the divine mission as the Prophet (PBUH) did; by providing your support and taking this divine mission to its accomplishment.

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی قرآن کریم کے احکام وقوانین کی اطاعت اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر امت کے مشورہ سے متعلقہ امور کے فیصلے۔ اس طریق کو خلافت علیٰ منہاج رسالت کہا جاتا ہے۔

8- بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہو گیا۔ خلافت کے زمانے میں تمام امور دین کے نظام کے تابع رہتے تھے۔ لیکن بعد میں مذہب اور سیاست میں ثنویت پیدا ہو گئی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔

9- ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے جو امت کو احکام وقوانین خداوندی کے مطابق چلائے۔ اس نظام کی بلند ترین اتھارٹی کو مرکز ملت کہا جائے گا اور اس کی طرف سے جاری شدہ احکام کی اطاعت خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کے قائم مقام قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس نظام کو چلانے والوں کی اپنی زندگی سب سے پہلے قوانین خداوندی کے تابع ہوگی۔

10- چونکہ دین کا نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا' اس لئے اس میں موجودہ ثنویت ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس میں یہ نہیں ہوگا کہ سیاسی معاملات کے لئے حکومت کی طرف رجوع کیا جائے اور مذہبی یا شخصی امور کے لئے مذہبی پیشوائیت کی طرف۔ اس میں یہ دونوں شعبے باہم گڈمڈ ہو جائیں گے۔

11- جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہو جاتا' امت کے مختلف فرقے جس جس طریق پر نماز' روزہ وغیرہ اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کوئی رد و بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے ''خدا اور رسول ﷺ'' کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

12- قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی جائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ نظام تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی' روٹی' کپڑا' مکان' علاج' تعلیم وغیرہ بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہو۔

13- قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہو سکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کر سکتا ہے۔ خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو' یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظام ہائے زندگی غیر خداوندی ہیں لہٰذا باطل۔

14- جہاں تک احادیث کا تعلق ہے' ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو' یا جس سے حضور نبی اکرم ﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

15- ہم' رسول اللہ ﷺ کے بعد' ہر قسم کے مدعی وحی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

16- طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ مذہبی فرقہ سے (اسے فرقہ اہل قرآن سے بھی کوئی تعلق نہیں)' نہ ہی یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک دین میں فرقہ سازی شرک ہے۔ امت کے مختلف فرقے جس طریق سے نماز' روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے ہیں' ہم ان میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کرتے۔ ہم صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرتے ہیں تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کا قیام عمل میں آ سکے۔ یہ ہے ہمارا مقصد' جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آ رہے ہیں۔



(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)



PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.74
ISSUE
11

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/talueislam/ www.youtube.com/idaratolueislam

جانے کہ بخشند دیگر نگیرند
آدم بمیرد از بے یقینی

زندگی (Self) تو خدا کا عطا کردہ تحفہ ہے جو واپس نہیں لیا جاتا۔ آدمی تو اپنی بے یقینی کی وجہ سے مرجاتا ہے۔

(اقبالؒ)

